بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ۘ يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَيُطِيْعُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ؕ اُولٰٓئِكَ سَيَرْحَمُهُمُ اللّٰهُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝ (التوبۃ:۷۱)

"ایمان والے مرد اور ایمان والی عورتیں ایک دوسرے کے دوست ہیں، نیکی کا حکم دیتے ہیں، برائی سے روکتے ہیں، صلوٰۃ قائم کرتے ہیں، زکوٰۃ دیتے ہیں، اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے ہیں، یہی لوگ ہیں جن پر اللہ رحم فرمائے گا، بیشک اللہ زبردست ہے حکمت والا ہے"

مومنوں کے باہمی تعلقات
اور
معاشرتی مسائل

(صرف ساتھیوں کے لیے)

طلبہ کے لیے

تصنیف

توحید اور سنت

مسجد توحید، آرجی ریلوے کالونی، توحید روڈ،
کیاڑی، کراچی، پاکستان

Post Box: 7028, Tel: 021-32850510, Fax: 021-32854484
Web: www.emanekhalis.com, www.therealislam.net

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

خالص ایمان اللہ تعالیٰ کی سب سے بڑی نعمت ہے۔ جس کو یہ نعمت مل جائے وہ بہت خوش نصیب ہے۔ اس نعمتِ عظمیٰ کے ملنے پر اللہ تعالیٰ کا بہت شکر ادا کرنا چاہیے۔ قرآن میں بنی اسرائیل کی ناشکری کی روش کو بیان کرتے ہوئے موسیٰ علیہ السلام کا ارشاد بیان کیا گیا ہے کہ:

وَ اِذْ تَاَذَّنَ رَبُّكُمْ لَىِٕنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِیْدَنَّكُمْ وَ لَىِٕنْ كَفَرْتُمْ اِنَّ عَذَابِیْ لَشَدِیْدٌ ○ وَ قَالَ مُوْسٰۤى اِنْ تَكْفُرُوْۤا اَنْتُمْ وَ مَنْ فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًاۙ فَاِنَّ اللّٰهَ لَغَنِیٌّ حَمِیْدٌ ○ (ابراہیم: ۷، ۸)

"اور جب تمہارے رب نے (تم کو) آگاہ کیا کہ اگر شکر کرو گے تو میں تمہیں زیادہ دوں گا اور اگر ناشکری کرو گے تو (یاد رکھو کہ) میرا عذاب (بھی) بہت سخت ہے۔ اور موسیٰ نے (صاف صاف) کہہ دیا کہ اگر تم اور جتنے لوگ زمین میں ہیں، سب کے سب ناشکری کرو تو بھی اللہ بے نیاز (اور) قابلِ تعریف ہے۔"

اسی سورہ میں آگے چل کر نعمتِ الٰہی کی ناشکری کرنے والوں کے بارے میں بتایا کہ جہنم کے برے ٹھکانے میں داخل ہوں گے (آیات ۲۸ تا ۳۰)۔ سورۂ بقرہ میں بنی اسرائیل کو دی جانے والی نعمتوں کا تذکرہ کرتے ہوئے ان کی ناشکری کے حوالے سے بتایا کہ اللہ تعالیٰ کی نعمت ملنے کے بعد اس میں کوئی تبدیلی کرنا اللہ کی سخت پکڑ کا سبب بنتا ہے (آیت ۲۱۱)۔ یہ نعمتِ ایمانی ملنا جہاں خوش نصیبی کا باعث ہے وہیں اس سے محرومی خسرانِ عظیم کا سبب بھی ہے۔ اللہ کے آخری رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کی کسی نعمت کے چھین لیے جانے سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتے تھے۔[1] اس تمہید کا مقصد ایمان کی اہمیت کو واضح کرنا ہے۔ یہ ایمانِ خالص اپنے ماننے والوں سے مختلف شعبہ ہائے زندگی میں مخصوص طرزِ عمل کا متقاضی ہے۔ اہل ایمان کو زندگی کے مختلف گوشوں میں کئی طرح کے لوگوں سے سابقہ پڑتا ہے: مثلاً وہ لوگ کہ جو انہی کی طرح ایمان کی نعمت پاکر خوش نصیبوں میں شامل ہو کر مؤمنین مخلصین میں شمار ہوتے ہیں، وہ منکرین جنہوں نے اس نعمت کو ٹھکرا دیا اور کافر و مشرک قرار پائے اور وہ بھی جو اس ایمان کا ظاہری اقرار کرتے ہیں مگر دل سے اس کے مخالف ہوتے ہیں، ایسے لوگ منافقوں کی صفوں میں جگہ پاتے ہیں۔ ایمان والوں کا

(1) صحیح مسلم: کتاب الذکر و الدعاء، باب اکثر اھل الجنۃ الفقراء

Scanned by CamScanner

واسطہ ایسے بدنصیبوں سے بھی پڑتا ہے جو اس نعمت کو پا کر کھو دیتے ہیں، ایمان قبول کر کے پھر سے کفر کا راستہ اختیار کر لیتے ہیں اور تہی داماں رہ جاتے ہیں۔ یہ بدنصیب لوگ مرتد کہلاتے ہیں۔

مخلص مومنین کے والدین، بھائیوں، بہنوں، اولاد اور دیگر رشتے داروں میں بھی مذکورہ بالا قسم کے افراد ہو سکتے ہیں جن سے روز و شب واسطہ پڑتا ہے۔ ان سے ملاقات کے وقت سلام و دعاء کا مسئلہ درپیش ہوتا ہے ان میں سے کوئی وفات پا جائے تو اس کی صلوٰۃ المیت اور جنازے میں شرکت اور بعد میں وراثت کا مسئلہ سامنے آجاتا ہے، مناکحت کے ذریعے ان سے رشتے داری کا تعلق قائم کرنے یا نہ کرنے کے معاملات بھی درپیش ہوتے ہیں ...... وغیرہ۔ غرض کاروبارِ زندگی میں اہل ایمان کو ان مسائل کا سامنا تو رہتا ہی ہے۔ قرآن و حدیث میں ایمان والوں کی پوری طرح سے رہنمائی فرمادی گئی ہے کہ درپیش صورتحال میں انہیں کیا طرزِ عمل اختیار کرنا ہے۔ اس مسئلے کو سمجھنے کے لیے قرآن و حدیث کی روشنی میں مختلف پہلوؤں کا جائزہ لینا ضروری ہے۔

دعوت حق کا تقاضا، کفر و شرک سے بیزاری

قرآن میں اللہ تعالیٰ کا واضح ارشاد ہے:

فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ ۝ (الحجر:۹۴)

"جس چیز کا آپ کو حکم دیا گیا ہے، وہ آپ کھول کر بیان کر دیں اور مشرکوں سے اعراض کریں"۔

اسی طرح ابراہیم علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں کے طرز عمل کو ایمان والوں کے لیے بہترین نمونہ قرار دیا گیا ہے جنہوں نے اپنی قوم کے مشرکوں سے یہ کہہ کر براءت کا اظہار کیا تھا کہ:

اِنَّا بُرَءٰٓؤُا مِنْكُمْ وَمِمَّا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۡ كَفَرْنَا بِكُمْ وَبَدَا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةُ وَالْبَغْضَآءُ اَبَدًا حَتّٰى تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗٓ ..... (الممتحنة:۴)

"ہم تم سے اور ان سے جن کی تم اللہ کے سوا بندگی کرتے ہو بری و بیزار ہیں۔ ہم تمہارے (ایمان و عقائد کے) منکر ہیں اور ہمارے اور تمہارے درمیان ہمیشہ کے لیے دشمنی اور بغض رہے گا جب تک تم ایک ہی اللہ پر ایمان نہ لاؤ"

Scanned by CamScanner

سورۂ بقرہ میں طاغوت کا کفر کرنے اور سورۂ زمر میں طاغوت (اور طاغوت پرستوں) سے اجتناب پر زور دیا گیا ہے:

لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ ۣۙ قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ ۚ فَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَيُؤْمِنْ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى ۤ لَا انْفِصَامَ لَهَا ۭ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ○ (البقرۃ:۲۵۶)

"دین میں کوئی زبردستی نہیں ہے، ہدایت گمراہی سے علیٰحدہ اور خوب واضح ہو گئی اب جو طاغوت کا کفر کرے اور اللہ پر ایمان لائے، اس نے وہ مضبوط حلقہ تھام لیا جو کبھی نہ ٹوٹے گا اللہ سننے والا، جاننے والا ہے"۔

اسی طرح سورۂ زمر میں فرمایا:

وَالَّذِيْنَ اجْتَنَبُوا الطَّاغُوْتَ اَنْ يَّعْبُدُوْهَا وَاَنَابُوْٓا اِلَى اللّٰهِ لَهُمُ الْبُشْرٰى ۚ فَبَشِّرْ عِبَادِ ○ (الزمر:۱۷)

"اور جن لوگوں نے طاغوت کی بندگی سے اجتناب کیا اور اللہ ہی کی طرف رجوع رکھا تو ان کے لیے بشارت ہے پس ایسے بندوں کو خوشخبری دے دو"۔

یہ آیات مشرکوں سے تعلقات کے سلسلے میں رہنمائی فراہم کر دیتی ہیں چنانچہ ان کو ذہن میں رکھتے ہوئے اس مسئلے کا جائزہ لیا جائے۔ جو لوگ اللہ کی ذات و صفات، حقوق و اختیارات، تصرفات و عبادات میں اللہ کے بندوں کو شریک ٹھہراتے ہوں، خواہ وہ اسلام کے نام لیوا سابقہ و موجودہ فرقے و مسالک ہوں یا اسلام کے مخالف یہود و ہنود، نصاریٰ و دیگر قومیں۔ کیا ان سے دوستی کے تعلقات رکھے جائیں، محبت و مودّت کے تعلقات استوار کیے جائیں؟، ان سے رشتے داری قائم کی جائے یا پہلے سے قائم رشتے داری نبھائی جائے یا پھر اُن سے براءت و بیزاری کا اظہار کیا جائے؟

مشرکین کو سلام کرنے کا مسئلہ

اس مسئلے پر غور کرنے کے لیے سورۂ نسآء کی درجِ ذیل آیت سے رہنمائی حاصل کی جائے، مالک نے فرمایا:

وَاِذَا حُيِّيْتُمْ بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّوْا بِاَحْسَنَ مِنْهَآ اَوْ رُدُّوْهَا ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ حَسِيْبًا ○ (النسآء:۸۶)

"جب تمہیں سلام کیا جائے تو اُس سے بہتر انداز میں سلام کا جواب دو یا اُسی طرح لوٹا دو، یقیناً اللہ ہر چیز کا حساب لینے والا ہے"۔

Scanned by CamScanner

یہ آیت مسلمانوں میں باہمی سلام و جواب کا طریقہ کار بتاتی ہے اور سلام کا جواب دینے کی تاکید کرتی ہے۔ نبی ﷺ نے ایک مسلم کے دوسرے مسلم پر جو چھ حقوق بیان فرمائے ہیں اُن میں سے ایک یہ ہے کہ: اِذَالَقِیۡتَہٗ فَسَلِّمۡ عَلَیۡہِ "جب تو اس سے ملے تو اسے سلام کر"۔[1] ایک روایت میں یہ بتایا کہ: تَجِبُ لِلۡمُسۡلِمِ عَلٰی اَخِیۡہِ رَدُّ السَّلَامِ "مسلم کے لیے اس کے بھائی پر واجب ہے کہ سلام کا جواب دے۔"[2]

قرآن کی مذکورہ آیت اور صحیح مسلم کی محولہ حدیث سے یہ مسئلہ معلوم ہوا کہ آپس میں سلام کرنا تو مسنون ہے اور جواب دینا واجب ہے (جواب نہ دینے پر گناہ ہو گا)۔ لیکن اس آیت اور روایت سے یہی اصول ملتا ہے کہ یہ حکم بین المسلمین سلام و جواب کے لیے ہے۔ اس سے یہ استنباط نہیں ہو سکتا کہ غیر مسلموں کو بھی سلام کیا جائے، یا ان کے سلام کا بھی جواب دیا جائے کیونکہ یہاں جواب دینے کے لیے لفظ اَخِیۡہِ یعنی "اپنے بھائی" کہا گیا ہے اور بھائی تو صرف ایمان والے ہی ہیں جیسا کہ سورۂ حجرات میں فرمانِ الٰہی ہے: اِنَّمَا الۡمُؤۡمِنُوۡنَ اِخۡوَۃٌ ...... (آیت ۱۰)۔ صلبی رشتے پر ایمانی رشتہ بھی مقدم ہے۔ مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ نے غزوۂ بدر میں اپنے کافر سگے بھائی کو پکڑنے کے لیے ایک انصاری صحابی سے کہا کہ اس کو قید کر لو، اس کی ماں بہت مالدار ہے۔ سگے بھائی نے جب شکوہ کیا کہ بھائی ہو کر ایسا کہتے ہو تو فرمایا کہ تو میرا بھائی نہیں، بلکہ میرا بھائی تو یہ انصاری ہے[3]۔ اس موقف کی واضح تائید ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی اس روایت سے ہوتی ہے جس میں انہوں نے فرمانِ رسول ﷺ نقل کیا کہ:

لَا تَبۡدَءُوا الۡيَهُوۡدَ وَلَا النَّصَارٰی بِالسَّلَامِ وَاِذَا لَقِيۡتُمۡ اَحَدَهُمۡ فِيۡ طَرِيۡقٍ فَاضۡطَرُّوۡهُ اِلٰی اَضۡيَقِهٖ

"تم یہود و نصاریٰ کو سلام کرنے میں پہل نہ کرو اور راستے میں اگر تمہیں ان میں سے کوئی ملے تو اس کے لیے راستہ تنگ کرو (کشادگی نہ کرو) تاآنکہ وہ ایک طرف ہو کر گزرنے پر مجبور ہو جائے"۔[4]

---

(1) صحیح مسلم: کتاب السلام، باب من حق المسلم للمسلم رد السلام

(2) صحیح مسلم: کتاب السلام، باب من حق المسلم للمسلم رد السلام

(3) الاکتفاء بما تضمنه من مغازی غزوة بدر الكبریٰ: جلد 1، ص 346

(4) صحیح مسلم : کتاب السلام، باب النهی عن ابتداء اهل الكتٰب بالسلام و کیف یرد علیهم

Scanned by CamScanner

اسی طرح انس بن مالک اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی متفق علیہ روایتوں میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ حکم ہے کہ:

اِذَا سَلَّمَ عَلَيْكُمْ اَهْلُ الْكِتَابِ فَقُوْلُوْا وَعَلَيْكُمْ

"جب یہود و نصاریٰ تمہیں سلام کریں تو جواب میں وَعَلَيْكُمْ کہو" (1)

مذکورہ احادیث میں کفار و مشرکین کے لیے سلام (اللہ کی رحمت و سلامتی و برکت کی دعا) کرنے کی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی واضح ممانعت ہے۔ سورۂ فرقان میں اللہ تعالیٰ نے رحمٰن کے بندوں کا انداز بیان فرمایا ہے کہ:

وَاِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا ○ (الفرقان : ٦٣)

"اور جب جاہل لوگ ان سے (جاہلانہ) گفتگو کرنے لگیں تو وہ کہتے ہیں "سلام" (اور پھر ان سے علیحدگی اختیار کر لیتے ہیں)۔"

سورۂ قصص میں دعوتِ حق کو قبول کرنے والے حلیم الطبع لوگوں کے حسنِ اخلاق کی منظر کشی فرمائی ہے کہ جب مخالفین ان کو دعوتِ حق سے برگشتہ کرنے کی کوشش کرتے ہوئے بیکار بحث میں الجھاتے ہیں تو وہ اچھے انداز میں ان سے جان چھڑاتے ہیں۔ فرمایا:

وَ اِذَا سَمِعُوا اللَّغْوَ اَعْرَضُوْا عَنْهُ وَ قَالُوْا لَنَآ اَعْمَالُنَا وَ لَكُمْ اَعْمَالُكُمْ ۡ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ ۡ لَا نَبْتَغِى الْجٰهِلِيْنَ ○ (القصص : ۵۵)

"جب وہ لغو (بیہودہ) بات سنتے ہیں تو رخ پھیر لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمارے اعمال ہمارے لیے اور تمہارے اعمال تمہارے لیے، تم پر سلام ہو، ہم جاہلوں کے منہ نہیں لگتے"

یہ آیت الجھنے کی بجائے احسن طریقے سے علیحدگی اختیار کرنے کی روش بیان کرتی ہے۔ غور فرمایئے کہ ان آیات میں داعیٔ حق کو یہ انداز سکھایا گیا ہے کہ دینی گفتگو یا مباحثے میں یا دورانِ دعوت اگر مخاطب جاہلانہ روش پر اتر آئے تو پھر اِفہام و تفہیم کا موقع نہیں رہتا، چنانچہ اس وقت احسن طریقے سے علیحدگی اختیار کر لینا مناسب ہے، تاکہ مخاطب کو سوچنے کا موقع ملے اور آئندہ دعوت دینے کا

(1) صحیح بخاری : کتاب الاستئذان، باب کیف یرد علی اهل الذمة السلام/
صحیح مسلم : کتاب السلام، باب من حق المسلم للمسلم رد السلام

Scanned by CamScanner

موقع باقی رہے۔ اس کے لیے طریقہ یہ بتایا گیا کہ "سَلٰمٌ عَلَيْكَ" کہہ کر خوشگوار انداز میں اس بات کو ختم کیا جائے۔

یہ بات سبھی جانتے ہیں کہ ہر قوم میں رخصت ہوتے ہوئے اُن کی اپنی زبان میں کچھ الوداعی کلمات ادا کیے جاتے ہیں جن میں ایک دوسرے کے لیے دعائیہ جذبے یا نیک خواہشات کا اظہار ہوتا ہے۔ عربی زبان میں "سَلٰمٌ عَلَيْكَ" یا "فِیْ اَمَانِ اللہ" کہنے کا رواج ہے۔ درج بالا آیات میں تینوں موقعوں پر یہی انداز ملتا ہے۔ بالکل اسی طرح سورۂ زخرف میں داعئ حق کو اس ضابطۂ اخلاق کی تعلیم دی گئی ہے کہ باوجود مخالفین کی ہٹ دھرمی کے تمہارا انداز عفو و درگزر والا ہی ہونا چاہیے۔

فَاصْفَحْ عَنْهُمْ وَقُلْ سَلٰمٌ ۚ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ○ (الزخرف: ۸۹)

"پس (اے نبی!) تم ان سے درگزر کرو اور کہدو کہ "سلام" عنقریب انہیں (انجام) معلوم ہو جائے گا"۔

ظاہر ہے کہ یہ بھی ہٹ دھرم مدعو یا مخاطب سے "سلام" کہہ کر احسن طریقے سے علیحدگی کا ہی انداز ہے۔ اس کے علاوہ سورۂ طٰہٰ میں ہے کہ:

....وَالسَّلٰمُ عَلٰى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى ○ (طٰہٰ: ۴۷)

"اور سلام ہے اس پر جو راہِ راست کی پیروی کرے"۔

یہ سلامتی کی دعا ہے جو پیغامِ ہدایت قبول کرنے والے کے لیے مشروط کر دی گئی ہے، چنانچہ ہجرت کے تقریباً چھ سال بعد نبی ﷺ نے جب اپنے قاصدوں کے ذریعے کافر حکمرانوں کو دعوت الی اللہ کے تحریری دعوت نامے ارسال فرمائے تو ان میں بھی ... وَالسَّلٰمُ عَلٰى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى سے پیغامِ ہدایت کی ابتداء فرمائی۔[1] یہ ایک ضابطۂ اخلاق ہے جو اچھی طرح دعوت دینے اور اختتام کے لیے داعئ حق کو تعلیم فرمایا گیا ہے۔ ہمارے اس دعوتی دور میں ایک محتاط اور متوازن رویّہ یہ ہوگا کہ جن لوگوں کو دعوت دی جائے اُن کو سلام بھی کیا جائے اور ان کے سلام کا جواب بھی دیا جائے۔ سلامتی والے دین یعنی دینِ اسلام کی تعلیمات کی دعوت دینے کا مقصد ہی انسانوں کے لیے سلامتی چاہنا ہے۔ ان کو سلام کرنے میں یہ دعائیہ

(1) صحیح بخاری: کتاب الجهاد والسیر، باب دعاء النبی ﷺ الی الاسلام

جذبہ کار فرما ہو کہ اللہ تعالیٰ اُن کو قبولِ حق کی توفیق عطا فرما دے۔ اس کے برعکس جن لوگوں پر حجت پوری ہو جائے (جنہیں ہر طرح سے سمجھانے کے بعد دعوت کا دروازہ بند ہو چکا ہو) تو ان کو سلام نہ کیا جائے اور اگر وہ سلام کریں تو اُن کو اہل کتاب والا جواب "وَعَلَيْكُمْ" ہی دیا جائے۔ ہمارا یہی موقف ہے۔

یہاں بطور جملہ معترضہ اس بات کی نشاندہی مناسب ہو گی کہ بعض منکرین حدیث تحیّۃ (Greetings) کے لیے اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ کہنے کو شرک قرار دیتے ہیں اور اس کے بجائے سَلَامٌ عَلَيْكَ یا سَلَامٌ عَلَيْكُمْ کے الفاظ پر اصرار کرتے ہیں، اور اس کی دلیل یہ دیتے ہیں کہ اس طرح مخاطب کو بے عیب بتایا جاتا ہے جبکہ اَلسَّلَامُ (بے عیب ہونا) صرف اللہ تعالیٰ ہی کی صفت ہے...... یہ ان کی جہالت اور عربی قواعد سے ناواقفیت کا ثبوت ہے۔ اَلسَّلَامُ بلاشبہ اللہ تعالیٰ کے صفاتی ناموں میں سے ہے اور اس کے معنی ہیں کہ وہ ہر عیب سے پاک ہے لیکن اس کے معنی امن و امان یا سلامتی کے بھی ہیں اور انہی معنوں میں اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ کے الفاظ بطور دعا مومن بھائیوں کے لیے مستعمل ہیں اور ان کے معنی ہوتے ہیں: "تم پر سلامتی ہو"۔ یہ شرک تو اُس صورت میں ہوتا جبکہ مخاطب کو "اَنْتَ السَّلَامُ" کہا جاتا یا ہر عیب و نقص سے پاک سمجھا جاتا۔ ان کو معلوم ہونا چاہیے کہ سلام کے یہ مروجہ الفاظ نہ صرف احادیث میں تواتر سے آئے ہیں (جن پر آج تک برابر اسی طرح عمل کیا جا رہا ہے) بلکہ قرآن میں بھی انہیں بطور تحیّۃ استعمال کیا گیا ہے۔ قرآن کی آیت ہے:.... وَالسَّلٰمُ عَلٰى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى ○ (طٰهٰ: ۴۷) جس کے معنی ہیں: "سلام (سلامتی) ہو اس پر جو ہدایت کی پیروی کرے"۔ اور یہی الفاظ نبی ﷺ نے کافر بادشاہوں کو دعوتی خطوط میں آغاز تحریر میں لکھوائے۔ ان منکرین نے ظلم یہ کیا ہے کہ قرآن کا بھی کھلے دل سے بغور مطالعہ نہیں کیا۔ (اقتباس دعوۃ القرآن، تفسیر سورۂ نسآء)

یہ بات بھی یاد رکھنی چاہیے کہ مؤمنوں میں سلام و دعا اور تحیّات (Greetings) کے کلمات کا تبادلہ محض رسمی نہیں بلکہ باہمی محبت اور ایک دوسرے کے لیے اکرام و احترام کے جذبات کو فروغ دینے اور نیک خواہشات کے اظہار کے لیے ہوتا ہے۔ کیا کسی مؤمن موحّد کے دل میں بدترین کفریہ شرکیہ عقائد رکھنے والے قادیانیوں اور دیگر غیر مسلموں کے لیے ایسے محبت و مودّت کے جذبات

Scanned by CamScanner

پیدا ہو سکتے ہیں؟ اس بات کو پوری طرح سمجھنے کے لیے سورۂ مجادلہ پر غور کیا جائے جس کی آخری آیت یہاں نقل کی جارہی ہے:

لَا تَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ يُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَ لَوْ كَانُوْٓا اٰبَآءَهُمْ اَوْ اَبْنَآءَهُمْ اَوْ اِخْوَانَهُمْ اَوْ عَشِيْرَتَهُمْ ؕ اُولٰٓئِكَ كَتَبَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْاِيْمَانَ وَ اَيَّدَهُمْ بِرُوْحٍ مِّنْهُ ؕ وَ يُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَ رَضُوْا عَنْهُ ؕ اُولٰٓئِكَ حِزْبُ اللّٰهِ ؕ اَلَآ اِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝ (المجادلة: ۲۲)

”جو لوگ اللہ اور روزِ آخرت پر ایمان رکھتے ہیں تم اُن کو اللہ اور اس کے رسول کے دشمنوں سے دوستی کرتے ہوئے نہ دیکھو گے خواہ وہ ان کے باپ یا بیٹے یا بھائی یا خاندان ہی کے لوگ ہوں۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کے دلوں میں اللہ نے ایمان راسخ کر دیا ہے اور اپنے فضل سے ان کی مدد کی ہے، اور وہ انہیں جنتوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں جاری ہیں جہاں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ اللہ ان سے راضی ہوا اور وہ اس سے راضی ہوئے۔ یہی لوگ اللہ کا گروہ ہیں۔ (اور) سن رکھو کہ اللہ کا گروہ ہی فلاح پانے والا ہے۔“

سورۂ مائدہ میں یہود و نصاریٰ سے دوستانہ تعلق قائم کرنے سے منع کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے مؤمنوں سے ارشاد فرمایا کہ:

اِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَ يُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَ هُمْ رٰكِعُوْنَ ۝ وَ مَنْ يَّتَوَلَّ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَاِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْغٰلِبُوْنَ ۝ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَكُمْ هُزُوًا وَّ لَعِبًا مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَ الْكُفَّارَ اَوْلِيَآءَ ۚ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ (آیات: ۵۵ تا ۵۷)

”بیشک تمہارے دوست تو اللہ اور اس کے رسول ہیں اور وہ لوگ جو ایمان والے ہیں، جو صلوٰۃ قائم کرتے ہیں، زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اور جھکنے والے ہیں۔ اور جو اللہ اور اس کے رسول اور ایمان والوں سے دوستی رکھے گا تو (یہ) اللہ کا گروہ ہی غالب رہنے والا ہے۔ اے ایمان والو! اہل کتاب اور کافروں میں سے ان لوگوں کو دوست نہ بناؤ جنہوں نے تمہارے دین کو ہنسی کھیل بنایا ہوا ہے۔ اور اللہ سے ڈرتے رہو اگر تم واقعی مؤمن ہو۔“

البتہ دعوت کے مرحلے میں جس حسنِ اخلاق، اعلیٰ ظرفی اور صبر و تحمل کی ضرورت ہے، اس کے لیے ہمارا اختیار کردہ موقف ان شاء اللہ قرآن و حدیث کے معیار کے مطابق ہی ہو گا۔

Scanned by CamScanner

اعتراض کیا جاتا ہے کہ مخالفینِ حق کو بھی سلام کرنا چاہیے کیونکہ نبی ﷺ نے مطلق اِفشاء سلام یعنی سلام کو پھیلانے اور ہر جانے انجانے کو سلام کرنے کی تلقین کی ہے:

عَنْ عَبْدِاللهِ بْنِ عَمْرٍو اَنَّ رَجُلاً سَاَلَ النَّبِیَّ ﷺ اَیُّ الْاِسْلَامِ خَیْرٌ قَالَ تُطْعِمُ الطَّعَامَ وَ تَقْرَءُ السَّلَامَ عَلٰی مَنْ عَرَفْتَ وَ عَلٰی مَنْ لَّمْ تَعْرِفْ

"عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے نبی ﷺ سے پوچھا کہ کون سا اسلام بہتر ہے۔ فرمایا کہ تو کھانا کھلائے اور ہر ایک کو سلام کرے چاہے اسے جانتا ہو یا نہ جانتا ہو"۔ (1)

مزید یہ حدیث بھی پیش کی جاتی ہے جس میں رسول اللہ ﷺ نے اس یہودی تک کو جواب دیا تھا جو آپ ﷺ کو بد دعا کر رہا تھا:

عَنْ عَآئِشَةَ رضی اللہ عنہا قَالَتِ اسْتَاْذَنَ رَهْطٌ مِّنَ الْيَهُوْدِ عَلٰی رَسُوْلِ اللهِ ﷺ فَقَالُوا السَّامُ عَلَيْكُمْ فَقَالَتْ عَآئِشَةُ رضی اللہ عنہا بَلْ عَلَيْكُمُ السَّامُ وَاللَّعْنَةُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ يَاعَآئِشَةُ اِنَّ اللهَ عَزَّ وَ جَلَّ يُحِبُّ الرِّفْقَ فِي الْاَمْرِ كُلِّهٖ قَالَتْ اَلَمْ تَسْمَعْ مَاقَالُوْا قَالَ قَدْ قُلْتُ وَعَلَيْكُمْ

"عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ یہودیوں کی ایک جماعت نے رسول اللہ ﷺ کے پاس آنے کی اجازت چاہی تو کہا اَلسَّامُ عَلَيْكُمْ (یعنی تم پر موت ہو)۔ عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ عَلَيْكُمُ السَّامُ وَاللَّعْنَةُ (بلکہ تم پر موت اور لعنت ہو)۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اے عائشہ! اللہ عزوجل ہر کام میں نرمی کو پسند فرماتا ہے۔ انہوں نے عرض کیا کہ آپ ﷺ نے نہیں سنا کہ انہوں نے کیا کہا۔ آپ ﷺ نے جواب دیا کہ میں نے تو اس کا جواب وَعَلَيْكُمْ (اور تم پر بھی) کہہ دیا تھا۔" (2)

مذکورہ حدیث سے اس غلط موقف کا استدلال کرنا غلط فہمی ہے کیونکہ مسلم کی اس حدیث کے ساتھ مروی دوسری حدیث اس کو رد کر دیتی ہے جس میں نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ:

... اِنَّا نُجَابُ عَلَيْهِمْ وَلَا يُجَابُوْنَ عَلَيْنَا

"ہم جو اُن کے لیے کہتے ہیں وہ قبول ہوتا ہے اور وہ جو ہم پر کہتے ہیں قبول نہیں کیا جاتا۔" (2)

بخاری نے یہ الفاظ اس طرح روایت کیے ہیں:

.... فَيُسْتَجَابُ لِيْ فِيْهِمْ وَلَا يُسْتَجَابُ لَهُمْ فِيَّ

---

(1) صحیح بخاری: کتاب الاستئذان، باب السلام للمعرفة وغیر المعرفة

(2) صحیح مسلم: کتاب السلام، باب النهی عن ابتدآء اهل الکتاب بالسلام و کیف یرد علیهم

Scanned by CamScanner

"میری (بددعا کی) ان کے حق میں استجابت ہوگی اور ان کی (بددعا کی) میرے حق میں استجابت نہیں ہوگی"[(1)]

ثابت ہوا کہ نبی ﷺ نے اخلاقِ فاضلہ کے ساتھ "بددعا" کا جواب "بددعا" سے ہی دیا تھا۔ "وَعَلَيْكُمْ" ایک جامع لفظ ہے جو قائل پر اس کا مقولہ لوٹا دیتا ہے، اگر اس نے دعا دی تو اس لفظ سے اس پر بھی دعا ہوگی اور اگر بددعا دی تو اس پر بھی بددعا ہوگی۔ اسی لیے مؤمنوں کو غیر مسلموں کے سلام کے جواب میں "وَعَلَيْكُمْ" کا جواب سکھایا گیا جس میں اخلاق کا دامن بھی ہاتھ سے نہیں چھوٹتا اور کہنے والے کو اس کے کلمات کا پورا جواب بھی مل جاتا ہے۔ سو اس روایت سے یہ حکمت بھی واضح ہوگئی۔

ساتھیوں کو وہ روایت ضرور یاد ہوگی جو ہم نے اپنے کتابچے "تعویذات اور شرک" میں دی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے اس شخص سے بیعت ہی نہ لی جو تعویذ پہنے ہوئے تھا یعنی اُس کو اِس قابل ہی نہ سمجھا کہ اس سے مصافحہ کیا جائے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اس معاملے میں تعامل اس روایت سے مترشح ہے کہ ایک آدمی نے عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے کہا کہ فلاں شخص نے آپ کو سلام کہا ہے۔ عبد اللہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ مجھے اس کے بارے میں یہ بات پہنچی ہے کہ اس نے کوئی بدعت اختیار کرلی ہے پس اس نے اگر ایسا کیا ہے تو میرا سلام اس کو نہ کہنا۔[(2)] اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم تو کسی بدعتی کو بھی سلام کرنا گوارا نہ کرتے تھے چہ جائیکہ کسی مشرک کو سلام کریں۔ ہمارے لیے یہی اسوہ کافی ہے۔ البتہ ایسی مخلوط مجلس جس میں کچھ لوگوں کو آپ جانتے ہیں کہ وہ مومن ہیں اور کچھ کو آپ نہیں جانتے تو ایسی صورت میں سب کو سلام دینا چاہیے۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اسی مقام پر اِس مسئلے کی بھی نشاندہی کردی جائے جس کی طرف بارہا توجہ دلائی جاتی ہے، وہ یہ کہ تَحِيَّةٌ (Greetings) کے وقت مصافحہ بھی کیا جائے یعنی ملنے والے دو افراد اپنے سیدھے ہاتھ سے دوسرے شخص کا سیدھا ہاتھ پکڑلیں۔ یہ مصافحہ صرف دو سیدھے ہاتھوں کا ملنا ہی ہے، دونوں ہاتھوں سے دوسرے شخص کے دونوں ہاتھوں کو تھامنا مسنون مصافحہ نہیں۔ مصافحہ دو ہاتھ سے ہی ہوتا ہے چار سے نہیں۔ عورتیں عورتوں سے مصافحہ کریں اور مرد مردوں سے مصافحہ کریں۔ عورت کا مرد سے مصافحہ درست نہیں اور غیر محرم مرد و عورت کا

(1) صحیح بخاری کتاب الادب، باب لم یکن النبی ﷺ فاحشا ولا متفحشا

(2) جامع ترمذی: کتاب القدر باب ماجآء فی الرضا بالقضاء

Scanned by CamScanner

مصافحہ تو بے حیائی کی بات ہے جس سے سختی سے بچنا چاہیے۔ بعض علاقوں اور قوموں میں عورت اور مرد کا مصافحے کا رواج ہے جسے ترک کرنا چاہیے خواہ کوئی ناراض ہی کیوں نہ ہو۔ ہمیں اپنے خاندانی رسوم ورواج پر اسلامی تعلیمات اور سنتِ رسول ﷺ کو ترجیح دینی چاہیے۔ تاہم اگر محرم رشتے دار بڑی بوڑھیاں ازراہِ شفقت اپنے محرم نوجوانوں کا ہاتھ تھام لیں اور اسی طرح عمر رسیدہ بزرگ اپنی محرم رشتے دار بچیوں کے ہاتھ تھام لیں تو انکار کی کوئی گنجائش نہیں کہ نبی ﷺ اپنی بیٹی فاطمہ رضی اللہ عنہا کا استقبال کرتے وقت ان کا ہاتھ تھام لیتے تھے۔ (1)

یہ بات بھی واضح کر دی جائے کی یہ مصافحہ صرف ملاقات کے موقعے پر کیا جائے، رخصت کے وقت مصافحہ کرنا احادیث سے ثابت نہیں۔ کتبِ صحاح کی آداب واستئذان کی کتابوں کے متعلقہ ابواب کی روایات سے پتہ چلتا ہے کہ وقتِ رخصت صرف سلام ہے، مصافحہ نہیں۔ ترمذی کی وہ روایات ضعیف ہیں جن میں بتایا جاتا ہے کہ تحیۃ کی تکمیل مصافحہ ہے۔ امام بخاری نے ان روایات کو غیر محفوظ کہا ہے۔ نیز جن روایات میں آتا ہے کہ نبی ﷺ نے کسی صحابی کو رخصت کرتے وقت اس کا ہاتھ تھاما یا مصافحہ کیا تو ان پر غور کرنے سے واضح ہوتا ہے کہ یہ مصافحہ صرف اسی سے کیا جاتا جو کسی سفر پر روانہ ہو رہا ہوتا ورنہ روز مرہ کی ملاقاتوں کے اختتام پر مصافحہ نہیں کیا جاتا تھا ورنہ ذخیرۂ احادیث میں اس کی بکثرت روایات ہوتیں۔ مذکورہ روایات کے مطابق نبی ﷺ عازمِ سفر کو وداع کرتے وقت اس کے ساتھ ساتھ جاتے، مصافحہ کرتے اور سلام کے بعد اسے یہ دعا دے کر رخصت کرتے تھے کہ:

.....اَسْتَوْدِعُ اللهَ دِيْنَكَ وَ اَمَانَتَكَ وَ خَوَاتِيْمَ عَمَلِكَ

”تمہارے دین وامانت اور عمل کے اختتام کو اللہ کے سپرد کیا“ (2)

ایک روایت میں تو صراحت موجود ہے کہ ایک شخص نے بتایا کہ وہ سفر کا ارادہ رکھتا ہے تو نبی ﷺ

(1) سنن ابی داوٗد: کتاب المناقب، باب ماجآء فی القیام

(2) جامع ترمذی: کتاب الدعوات باب مایقول اذا ودع انسانا

Scanned by CamScanner

نے اسے اسی طرح رخصت کیا۔(1)

مشرک رشتے داروں سے راہ وربط، حدود کا تعین نیز صلہ رحمی کس حد تک؟

قرآن و حدیث میں صلہ رحمی پر بہت زور دیا گیا ہے اور والدین کے ساتھ تو حسن سلوک کی بہت ہی تاکید ہے۔ سورۂ بنی اسرائیل میں اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ بندگی صرف اُسی کی ہو گی، کسی اور کی نہ ہو گی، اور اس کے ساتھ ہی والدین کے ساتھ حسن سلوک کی تاکید فرمائی:

وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ۭ... (بنی اسرائیل : ۲۳)

"اور تیرے رب کا فیصلہ ہے کہ اس کے سوا کسی کی بندگی نہ کرنا اور والدین کے ساتھ احسان کرنا"

اور اس کی مزید وضاحت کرتے ہوئے فرمایا:

اِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَآ اَوْ كِلٰهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا ۝ وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا ۝

(بنی اسرائیل : ۲۳، ۲۴)

"اوران میں سے ایک یا دونوں تمہارے پاس (رہتے ہوئے) کبر سنی کو پہنچ جائیں تو اُن سے اُف تک نہ کرنا اور نہ ہی انہیں جھڑکنا اور ان سے (شفقت اور) احترام سے بات کرنا اور ترحّم کے ساتھ اپنے شانے ان کے سامنے جھکائے رکھنا اور یہ دعا کرتے رہنا کہ اے رب! ان پر رحم فرما جیسے انہوں نے بچپن میں میری پرورش کی"۔(2)

دوسری جگہ اس حسن سلوک کی وجہ بھی بیان کی گئی اور ساتھ ہی اس کی حد کا تعین بھی کر دیا گیا:

وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ ۚ حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ وَهْنًا عَلٰي وَهْنٍ وَّفِصٰلُهٗ فِيْ عَامَيْنِ اَنِ اشْكُرْ لِيْ وَ

(1) سنن دارمی : کتاب الاستئذان باب مایقول اذا ودع رجلا

(2) نوٹ : واضح رہے کہ یہ دعا صرف صاحبِ ایمان والدین کے لیے ہی ہے اور مشرکانہ عقائد رکھنے والوں کے لیے نہیں کی جاسکتی جس کی ممانعت کا ذکر آگے آرہا ہے البتہ مرنے سے پہلے تو ہدایت کی دعا مشرکین سمیت سب کے لیے کی جاسکتی ہے۔

Scanned by CamScanner

لِوَالِدَيْكَ ۗ اِلَيَّ الْمَصِيْرُ ۝ وَ اِنْ جَاهَدٰكَ عَلٰۤى اَنْ تُشْرِكَ بِيْ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ۙ فَلَا تُطِعْهُمَا وَ صَاحِبْهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوْفًا ۫ وَّ اتَّبِعْ سَبِيْلَ مَنْ اَنَابَ اِلَيَّ ۚ ثُمَّ اِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ فَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝ (لقمان: ۱۴، ۱۵)

"اور ہم نے انسان کو اس کے والدین کے بارے میں (حسن سلوک کی) وصیت کی ہے۔ اس کی ماں نے اس کو دکھ پر دکھ سہہ کر اٹھائے رکھا اور دو سال میں اس کا دودھ چھڑایا کہ تم میرا اور اپنے والدین کا شکر کرو میرے ہی پاس لوٹ کر آنا ہے۔ اور اگر یہ تم پر زور ڈالیں کہ میرے ساتھ کسی کو شریک ٹھہراؤ جس کا تمہیں کوئی علم نہیں، تو ہرگز ان کی اطاعت نہ کرنا البتہ ان سے دنیاوی معاملات میں معروف طریقے سے ہی برتاؤ کرتے رہنا، اور پیروی اس کے راستے کی کرنا جس نے میری طرف رجوع کیا ہے۔ پھر تمہیں لوٹنا تو میری ہی طرف ہے، تو میں تمہیں بتادوں گا جو تم کیا کرتے تھے۔"

درج بالا آیات میں بڑی حد تک اُن حدود کا تعین ہو گیا ہے جن کے اندر رہتے ہوئے اہل ایمان کو صلہ رحمی کا حق ادا کرنا ہے اور والدین اور دیگر رشتے داروں سے راہ و ربط رکھنا ہے۔ یہ بات واضح ہو گئی کہ ایمان کے معاملے میں کسی قسم کی کوئی رعایت نہیں کی جائے گی، مشرکانہ عقائد و اعمال میں کوئی مداہنت نہ ہو گی، کوئی تسامح (چشم پوشی) نہ برتا جائے گا اور قطعاً مشرک رشتے داروں کا ساتھ نہ دیا جائے گا خواہ والدین، اعزاء و اقربا، رشتے دار، برادری، کنبہ و خاندان، سب ناراض ہی کیوں نہ ہو جائیں، تاہم ان سے صلہ رحمی کا تعلق ہرگز منقطع نہ کیا جائے گا اور دعوت و تبلیغ کا دروازہ کھلا رکھا جائے گا، جہاں تک حالات اجازت دیں، کیا عجب کہ وہ کسی وقت اللہ کی توفیق سے دعوت حق قبول کر کے شرک سے توبہ کر لیں جس کے لیے اللہ سے دعائیں بھی کرتے رہیں۔ لیکن صلہ رحمی کا یہ مفہوم ہرگز نہیں کہ مشرکوں کے جنازوں میں شرکت کریں، ان کی جاہلانہ رسم و رواج اور بدعات پر مشتمل ناجائز تقریبات میں پورے اہتمام کے ساتھ شریک ہونے لگیں، یہاں تک کہ ایسے پروگراموں میں شرکت سے بھی گریز نہ کریں جہاں اللہ کی نافرمانی کا اعلانیہ ارتکاب کیا جا رہا ہو اور دینی احکامات کا مذاق اڑایا جا رہا ہو! صلہ رحمی کا تقاضا تو یہ ہے کہ ان مشرک رشتے داروں سے صرف معروف کے درجے میں تعلق رکھا جائے گا جیسا کہ اوپر سورۂ لقمان میں مشرک والدین کے حوالے سے بتایا گیا یعنی وہ موقع و محل اور تقریب یا محفل جہاں منکرات کا ارتکاب نہ ہو، وہاں شریک ہو سکتے ہیں، اور ایسی جگہ جہاں اللہ کے احکامات کا

Scanned by CamScanner

مذاق اڑایا جا رہا ہو، خواہ کرنے والے کوئی بھی ہوں، محفل بھی کسی رشتے دار، عزیز دوست کی ہی کیوں نہ ہو، وہاں کے لیے اہل ایمان کو اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ وہاں نہ بیٹھیں:

وَ قَدْ نَزَّلَ عَلَيْكُمْ فِي الْكِتٰبِ اَنْ اِذَا سَمِعْتُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ يُكْفَرُ بِهَا وَ يُسْتَهْزَاُ بِهَا فَلَا تَقْعُدُوْا مَعَهُمْ حَتّٰى يَخُوْضُوْا فِيْ حَدِيْثٍ غَيْرِهٖٓ ۖ اِنَّكُمْ اِذًا مِّثْلُهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ جَامِعُ الْمُنٰفِقِيْنَ وَ الْكٰفِرِيْنَ فِيْ جَهَنَّمَ جَمِيْعَا ۙ﴿۱۴۰﴾ (النسآء : ۱۴۰)

''اور تم پر (اللہ نے) قرآن میں یہ (حکم) نازل کر دیا ہے کہ جب تم سنو کہ اللہ کی آیات کا کفر ہو رہا ہے یا مذاق اُڑایا جا رہا ہے تو ان کے ساتھ نہ بیٹھو جب تک کہ وہ دوسری بات میں نہ لگ جائیں، ورنہ اُس وقت تم بھی انہی جیسے ہو جاؤ گے۔ بلا شبہ اللہ منافقوں اور کافروں سب کو جہنم میں (ایک جگہ) اکٹھا کرنے والا ہے''۔

اس طرح واضح کر دیا کہ گویا ایسی جگہ بیٹھنا اور خاموش رہنا منافقانہ روش ہے۔ دوسری جگہ فرمایا:

وَ اِذَا رَاَيْتَ الَّذِيْنَ يَخُوْضُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِنَا فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ حَتّٰى يَخُوْضُوْا فِيْ حَدِيْثٍ غَيْرِهٖ ؕ وَ اِمَّا يُنْسِيَنَّكَ الشَّيْطٰنُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ (الانعام : ۶۸)

''اور جب تم ان لوگوں کو دیکھو جو ہماری آیات میں جھگڑتے ہیں تو ان سے الگ ہو جاؤ یہاں تک کہ وہ کسی اور بات میں لگ جائیں۔ اور اگر شیطان تمہیں بھلا دے تو یاد آنے کے بعد اُن ظالموں کے ساتھ نہ بیٹھو''

اور آگے فرمایا:

وَ ذَرِ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَهُمْ لَعِبًا وَّ لَهْوًا.... (الانعام : ۷۰)

''ان لوگوں کو چھوڑ دو جنھوں نے اپنے دین کو کھیل تماشا بنا رکھا ہے...''

اسی بات کو ایک اور جگہ اس طرح بیان کیا گیا جیسا کہ گزشتہ سطور میں نقل کیا گیا:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَكُمْ هُزُوًا وَّ لَعِبًا مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَ الْكُفَّارَ اَوْلِيَآءَ ۚ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۵۷﴾ (المائدۃ : ۵۷)

''اے ایمان والو! جن لوگوں کو تم سے پہلے کتاب دی گئی ان میں اور کفار میں سے تم ان لوگوں کو دوست نہ بناؤ جنھوں نے تمہارے دین کو ہنسی کھیل بنا لیا ہے اور اللہ سے ڈرتے رہو اگر تم (سچے) مومن ہو''۔

البتہ جہاں ایسی کوئی بات نہ ہو تو وہاں محض دعوت کی نیت اور مقصد سے شرکت کر لینے میں کوئی

Scanned by CamScanner

قباحت نہیں البتہ ایسی جگہوں پر دعوت کا موقع شاذ و نادر ہی ملتا ہے۔ نبی ﷺ یہود و نصاریٰ کی دعوت قبول فرمالیتے تھے اور خود بھی انہیں مدعو فرماتے تھے۔ غزوۂ خیبر کے موقع پر زینب نامی ایک یہودی عورت کی دعوت قبول فرمائی جس نے بکری کے گوشت میں زہر ملا کر نبی ﷺ کو ہلاک کرنے کی کوشش کی۔ نبی ﷺ نے اس زہریلے گوشت میں سے ایک لقمہ لے کر منہ میں رکھ لیا تاہم وحی کے ذریعے مطلع کیے جانے پر اسے تھوک دیا۔ وفات کے وقت نبی ﷺ نے اس زہر کا ذائقہ محسوس کیا۔ (1)

لسانی، علاقائی وخاندانی عصبیت

دوسری معاشرتی بیماریوں کی طرح آج کے معاشرے میں عصبیت کا مرض بھی پایا جاتا ہے اور یہ بات قابلِ افسوس ہے کہ چند مقامات پر ایمان کے دعویدار بھی اس کا شکار نظر آتے ہیں۔ عصبیت میں اندھا ہو کر آدمی کو حق نظر نہیں آتا اور اس کے پیش نظر صرف یہ بات ہوتی ہے کہ مجھے ہر قیمت پر اپنے ہم زبان، اپنے علاقے اور قبیلے والے، اپنے خاندانی رشتے دار کا ساتھ دینا ہے خواہ وہ حق پر ہو یا نہ ہو۔ یہ انتہا پسندی کا انداز اور جذبہ عصبیت کہلاتا ہے۔ عصبیت کے بارے میں سوال کرنے پر نبی ﷺ نے ایک صحابی کو بتایا کہ عصبیت یہ ہے کہ تو ظلم پر اپنی قوم کی مدد کرے۔ (2) اپنی برادری، کنبے اور خاندان کا خیال رکھنا اچھی بات ہے مگر ان کے گناہوں میں شریک ہونا عصبیت ہے۔ اسی باب کی ایک اور حدیث میں نبی ﷺ کا فرمان مروی ہے کہ تم میں سے وہ شخص بہتر ہے جو ظلم کو اپنی قوم سے دفع کرے مگر کسی گناہ میں شریک نہ ہو۔ پیچھے قرآن وحدیث کے حوالے سے لکھا جا چکا ہے کہ ایمان کا رشتہ تمام رشتوں پر فوقیت رکھتا ہے ایمان کی بنیاد پر قائم ہونے والے تعلق کے مقابلے میں برادری و خاندان، نسل وزبان اور علاقے کی نسبت کا تعلق کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔ اسی رشتۂ ایمانی نے حبشہ کے بلال، ایران کے سلمان، روم کے صہیب، مدینے کے انصار اور مکے کے مہاجرین رضی اللہ عنہم کو ایک مضبوط لڑی

(1) صحیح بخاری: کتاب المغازی، باب مرض النبی ﷺ ووفاته

(2) سنن ابی داؤد: کتاب الادب، باب العصبية

Scanned by CamScanner

میں پرو دیا تھا، قدیم قبائلی عصبیت کا خاتمہ ہو گیا تھا، آپس کے تعلق کی بنیاد رنگ و نسل نہیں بلکہ ایمان خالص تھا خواہ وہ شخص کہیں کا بھی رہنے والا ہو، کوئی بھی زبان بولنے والا ہو۔ اس ایمانی رشتے سے منسلک بھائی کا ساتھ دینا ہم پر لازم ہے مگر صرف معروف میں ورنہ قرآن میں اللہ تعالیٰ کا صریح حکم ہے کہ

وَ تَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَ التَّقْوٰى ۪ وَ لَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَ الْعُدْوَانِ ۪ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝
(المائدۃ : ۲)

''....نیکی اور تقویٰ کے کام میں تعاون کرو اور گناہ اور ظلم کے کام میں تعاون نہ کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو، بیشک اللہ سخت سزا دینے والا ہے''۔

اوپر فرمان نبوی ﷺ گزر چکا ہے کہ گناہ کے کاموں میں اپنی قوم کا ساتھ نہیں دینا۔ انصاف کا تقاضا ہے کہ ہمیشہ حق کا ساتھ دیا جائے خواہ اس کی زد خود ہم پر ہی کیوں نہ پڑے یا ہمارے عزیزوں کے خلاف۔ اس سلسلے میں اللہ تعالیٰ کا ایمان والوں کو حکم ہے کہ:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ وَ لَوْ عَلٰۤى اَنْفُسِكُمْ اَوِ الْوَالِدَيْنِ وَ الْاَقْرَبِيْنَ ۚ اِنْ يَّكُنْ غَنِيًّا اَوْ فَقِيْرًا فَاللّٰهُ اَوْلٰى بِهِمَا ۫ فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوٰۤى اَنْ تَعْدِلُوْا ۚ وَ اِنْ تَلْوٗۤا اَوْ تُعْرِضُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ۝ (النسآء : ۱۳۵)

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو، انصاف پر قائم رہنے والے، اللہ کے لیے گواہی دینے والے بن جاؤ، خواہ (اس کی زد) تمہارے اوپر ہو یا والدین اور قرابت داروں پر، اگر چہ وہ (مشہود علیہ) غنی ہو یا فقیر، اللہ ان دونوں کا زیادہ خیر خواہ ہے۔ لہٰذا تم خواہش نفس کی پیروی نہ کرنا کہ انصاف کو چھوڑ بیٹھو۔ اور اگر تم نے گول مول بات کی یا (گواہی سے) پہلو تہی کی تو (جان لو کہ) اللہ تمہارے اعمال سے خوب باخبر ہے''۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ ۫ وَ لَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰۤى اَلَّا تَعْدِلُوْا ؕ اِعْدِلُوْا ۫ هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى ۫ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ (المآئدۃ : ۸)

''اے ایمان والو! اللہ کے لیے انصاف کے ساتھ گواہ بن کر کھڑے ہو جاؤ۔ اور کسی قوم کی دشمنی تمہیں اس بات پر نہ اُکسائے کہ تم انصاف نہ کرو۔ انصاف کرتے رہو یہی انداز تقویٰ کے زیادہ قریب ہے۔ اور اللہ سے ڈرتے رہو، تم جو کچھ کرتے ہو یقیناً اللہ اُس سے خوب باخبر ہے''۔

مسلم معاشرے کے لیے عصبیت زہر قاتل کی حیثیت رکھتی ہے کیونکہ اس کے بہت ہی مہلک

Scanned by CamScanner

اثرات ہوتے ہیں اور انجام کار ایمان سے ہی ہاتھ دھونے پڑتے ہیں۔ اس کی مذمت میں نبی ﷺ نے فرمایا کہ:

مَنْ خَرَجَ مِنَ الطَّاعَةِ وَفَارَقَ الْجَمَاعَةَ فَمَاتَ مِيتَةً جَاهِلِيَّةً وَّمَنْ قَاتَلَ تَحْتَ رَايَةٍ عِمِّيَّةٍ يَّغْضَبُ لِعَصَبَةٍ أَوْ يَدْعُوْ إِلَى عَصَبَةٍ أَوْ يَنْصُرُ عَصَبَةً فَقُتِلَ فَقِتْلَةٌ جَاهِلِيَّةٌ وَّمَنْ خَرَجَ عَلَى أُمَّتِي يَضْرِبُ بَرَّهَا وَفَاجِرَهَا وَلَا يَتَحَاشَى مِنْ مُؤْمِنِهَا وَلَا يَفِي لِذِي عَهْدٍ عَهْدَهُ فَلَيْسَ مِنِّي وَلَسْتُ مِنْهُ

یعنی جو شخص حاکم کی اطاعت سے باہر ہو جائے اور جماعت کا ساتھ چھوڑ دے پھر اسی حال میں فوت ہو جائے تو اس کی موت جاہلیت کی موت ہو گی۔ اور جو شخص اندھے جھنڈے کے نیچے لڑے (جس لڑائی کی صحت شریعت سے صاف صاف ثابت نہ ہو)، عصبیت کے لیے غصے میں آئے، عصبیت کی دعوت دے یا عصبیت کو ہوا دے (اور اللہ کی رضامندی مقصود نہ ہو) پھر مارا جائے تو اس کا قتل ہونا جاہلیت پر ہو گا۔ اور جو شخص میری امت پر دست درازی کرے اور اچھے برے کی تمیز کیے بغیر قتل و غارت کرے اور مومن کو بھی نہ چھوڑے اور جس سے عہد ہوا ہو اس کا عہد پورا نہ کرے، تو وہ مجھ سے کوئی تعلق نہیں رکھتا اور میں اس سے کوئی تعلق نہیں رکھتا (یعنی وہ مسلمان نہیں ہے)۔ (1)

ایک حدیث جس کی سند میں کچھ کلام ہے مگر جس سے اوپر بیان کردہ مضمون کی تائید ہوتی ہے، اس میں تو یہاں تک فرما دیا گیا کہ:-

لَيْسَ مِنَّا مَنْ دَعَا إِلَى عَصَبِيَّةٍ وَّلَيْسَ مِنَّا مَنْ قَاتَلَ عَلَى عَصَبِيَّةٍ وَّلَيْسَ مِنَّا مَنْ مَّاتَ عَلَى عَصَبِيَّةٍ

"وہ شخص ہم میں سے نہیں جو عصبیت کی طرف بلائے اور وہ شخص (بھی) ہم میں سے نہیں جو عصبیت پر لڑے اور وہ شخص (بھی) ہم میں سے نہیں جو عصبیت پر جان دے (یعنی ایسے لوگوں کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں)۔" (2)

اسی باب کی ایک دوسری روایت میں بتایا کہ جس نے اپنی قوم کی کسی ایسے معاملے میں مدد کی جو حق پر نہیں تھا تو وہ شخص اس اونٹ کی مانند ہے جو کسی کنویں میں گر جائے اور لوگ اس کی دُم پکڑ کر باہر نکالنا چاہیں (مگر وہ مر کر بھی باہر نہیں نکل سکتا)۔

---

(1) صحیح مسلم: كِتَابُ الْإِمَارَةِ باب: فيمن خرج من الطاعة وفارق الجماعة

(2) ابوداؤد: كتاب الادب، باب العصبية

Scanned by CamScanner

سطورِ بالا میں بیان کردہ قرآن وحدیث کے موقف کی روشنی میں ایمان والوں کو عصبیت کے جراثیم کو اپنے قریب نہ پھٹکنے دینا چاہیے اور حتی الوسع اس مرض سے دور رہنے کی کوشش کرنی چاہیے۔

مشرک کی میّت میں شرکت، تعزیت اور وراثت کا مسئلہ

قرآن میں مشرک کے مرنے کے بعد اُس کے لیے دعائے مغفرت کی ممانعت ہے:

مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِينَ آمَنُوٓا أَن يَسْتَغْفِرُوا لِلْمُشْرِكِينَ وَلَوْ كَانُوٓا أُولِي قُرْبَىٰ مِن بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُمْ أَصْحَابُ الْجَحِيمِ ۝ (التوبة : ۱۱۳)

''نہ تو نبی کے لیے جائز ہے اور نہ ایمان والوں کے لیے کہ وہ (مرنے والے) مشرکوں کے لیے دعائے مغفرت کریں، اگر چہ وہ اُن کے رشتہ دار ہی ہوں، جبکہ اُن پر واضح ہو چکا ہے کہ وہ جہنمی ہیں''۔

اس حکم کے تحت مشرک کی صلوٰۃ المیت ممنوع ہوگئی۔ جہاں تک جنازے میں شرکت، قبرستان جانے اور غسل و تدفین کے کاموں میں شرکت کا معاملہ ہے تو اس سلسلے میں رہنمائی کے لیے نبی ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے عمل کو دیکھنا ہوگا۔ ہجرت سے قبل مکہ میں نبی ﷺ کے چچا ابو طالب کی وفات ہوئی۔ وفات سے قبل نبی ﷺ نے ان کو ایمان لانے، کلمہ توحید پڑھ لینے کی بہت دعوت دی لیکن وہ ایمان نہ لائے اور حالتِ کفر میں ہی جان دی تو نبی ﷺ میت کو چھوڑ کر چلے آئے۔ علی رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ آپ کا بوڑھا چچا گمراہ مر گیا، اب اسے کون دفن کرے گا؟ فرمایا کہ جاؤ تم اپنے باپ کو گاڑ آؤ۔ وہ گئے اور انہیں مٹی میں دبا کر آ گئے۔ نبی ﷺ نے انہیں (علی رضی اللہ عنہ) کو غسل کرنے کا حکم دیا (جبکہ عام جنازوں کی تدفین کے بعد غسل مشروع نہیں)۔ (1)

اس واقعے سے یہ بات تو واضح ہو گئی کہ زندگی میں مشرک بیمار کی عیادت کی جاسکتی ہے اور ساتھ ہی اس کو ایمان کی دعوت بھی دی جائے اس امید پر کہ شاید اس کو ایمان کی توفیق مل جائے۔ لیکن شرک پر مرنے کی صورت میں نہ تو مغفرت کی دعا کی جاسکتی ہے اور نہ تدفین وغیرہ میں شرکت

(1) سنن نسائی: کتاب الجنائز، باب مواراۃ المشرک و باب النهی عن الاستغفار للمشرکین

Scanned by CamScanner

(اگر دفن کرنے کو دوسرے لوگ موجود ہوں)، بلکہ "مُسْتَرَاحٌ مِّنْهُ" والی روایت ★ سے تو ایک طرح کی بیزاری کا ہی اظہار ہوتا ہے۔ خیر القرون میں کفار و مشرکین کی میت میں شریک ہونے یا اُن کے لواحقین سے تعزیت کی کوئی مثال حدیث میں نہیں ملتی، نہ تو مکّی دور میں اور نہ ہجرت کے بعد مدینے میں۔ لہٰذا اسی کو معیار قرار دے کر اس کی پیروی کی جائے گی۔ البتہ مؤمن میت کی تعزیت اس کے مؤمن ورثاء سے ان کو تسلی دینے، ان کا غم غلط کرنے اور غم میں شریک ہونے کی غرض سے کرنی چاہیے۔ یہ تعزیت ورثاء میت سے جنازے میں شرکت کے موقعے پر یا قبرستان میں انفرادی طور پر کرلینا کافی ہے اور اگر موقع ملے تو انفرادی طور سے گھر جا کر تعزیت کرلی جائے اور اس موقعے پر تسلی والے الفاظ، میت کے لیے اچھے کلمات، دعائیہ الفاظ ادا کرلیے جائیں۔ آج کل اکٹھے ہو کر جو تعزیت کی جاتی ہے اور ایک اجتماعی انداز اختیار کیا جاتا ہے، یہ سنت سے ثابت نہیں ہے۔ یہ تو لواحقین کا غم بانٹنے کے بجائے الٹا ان کے لیے مزید گرانی و پریشانی کا باعث ہوتا ہے کہ معاشرے کے اس رواج کا تقاضا پورا کرنے کے لیے وہ کام چھوڑ کر تعزیت کرنے والوں کے استقبال کے لیے گھر میں پابند رہیں، ان کے لیے چائے پانی کا بندوبست کریں ! وہ لوگ تو ویسے ہی غم میں مبتلاء ہوتے ہیں، ان کے لیے تو خود دوسروں کو کھانے پینے کا بندوبست کرنا چاہیے نا کہ وہاں جا کر کھانا پینا شروع کر دیں۔ جنگ موتہ میں شہید ہونے والے جعفر طیار رضی اللہ عنہ کے گھر والوں کے لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ ان کے لیے کھانا بنایا جائے کیونکہ وہ لوگ مشغول ہیں۔[1]

یہاں یہ بات قابل توجہ ہے کہ میت کے گھر والوں کے لیے کھانا پکوانے کے لیے کسی مخصوص

★ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک جنازے کو دیکھ کر کہا کہ مُسْتَرِيحٌ (راحت پانے والا) ہے یا مُسْتَرَاحٌ مِّنْهُ (اس سے راحت مل گئی) ہے۔ اصحاب رضی اللہ عنہم نے پوچھا کہ یہ مُسْتَرِيحٌ اور مُسْتَرَاحٌ مِّنْهُ کون ہے؟ فرمایا کہ مؤمن بندہ تو (مر کر) دنیا کی مصیبتوں اور تکلیفوں سے راحت پانے والا ہے اور فاجر بندے (کی موت) سے دوسرے بندے، شہر، درخت، چوپائے جانور سب کو راحت مل جاتی ہے۔ (صحیح بخاری: کتاب الرقاق، باب سکرات الموت)

(1) جامع ترمذی: کتاب الجنائز، باب ماجآء فی الطعام یصنع لاھل المیت

Scanned by CamScanner

رشتے دار کی قید نہیں لگائی گئی جیسا کہ جہلاء میں مروج ہے کہ ننھیال یا ددھیال والے پکوائیں گے، بلکہ مطلق حکم دیا گیا۔ اب اس حکم کو جو کہ صرف جعفر رضی اللہ عنہ کے گھر والوں کے لیے تھا، عام کر کے اس پر عمل کرنا ہو تو کوئی بھی قریبی رشتے دار یا مؤمن ساتھی میت کے گھر والوں کی بھوک مٹانے کے لیے سادہ سا کھانا پکوا دے، یہ نہیں کہ نام و نمود کے لیے دیگیں چڑھوائی جائیں اور پھر آئندہ کے لیے اپنا حق ثابت کر لیا جائے کہ ہم نے اُن کو کھلایا تھا، اب وہ ہمیں کھلائیں۔ جنازے کے شرکاء کو خواہ رشتے دار ہوں یا غیر، جنازے سے فارغ ہو کر رخصت ہو جانا چاہیے، نہ کہ ایک دن یا کئی دن قیام کر کے دعوتیں اڑا کر میت کے گھر والوں کی پریشانیوں اور اخراجات میں اور اضافہ کریں اور وارثوں کا مال بے جا اڑائیں۔ البتہ دور دراز شہروں سے آئے ہوئے لوگوں کے رُکنے کا جواز معلوم ہوتا ہے کہ وہ فوراً روانہ نہیں ہو سکتے اس لیے ان کے کھانے کا بندوبست بھی میت کے گھر والوں کے کھانے کے ساتھ سادہ طریقے سے کیا جائے۔

جیسا کہ اوپر کہا گیا کہ مشرک کی میت میں شرکت یا تعزیت کی خیر القرون سے کوئی مثال نہیں ملتی تو پھر محض کنبہ و برادری کی خوشنودی حاصل کرنے اور اُن سے تعلقات اُستوار رکھنے کے نقطۂ نظر سے تجہیز و تکفین میں شرکت کرنا، جنازے کے ساتھ جانا، تعزیت اور پُرسے کے لیے جانا سنت سے انحراف اور منافقانہ طرز عمل سمجھا جائے گا۔ اسی طرح میت کے ایصال ثواب میں "شرکت" خواہ وہ مروّجہ قرآن خوانی، آیت کریمہ یا "ختم شریف" وغیرہ کے خود ساختہ وظیفوں کے ذریعے سے ہو یا نذر و نیاز، صدقہ و خیرات کے ذریعے، تیجے، چالیسویں، برسی وغیرہ کے خصوصی اجتماعات پر ہو (جو کہ سراسر بدعات اور جاہلانہ رسومات ہیں) یا بلا کسی اہتمام کے، ان موقعوں پر "شرکت"، شدید گناہ اور آخرت میں سخت پکڑ کا سبب ہو گی۔ ان سے قطعاً اجتناب ہی ایمان کا تقاضا ہے۔ ہاں اگر مشرکانہ عقائد رکھنے والی میت کے کفن دفن کا بندوبست کرنے والا کوئی نہ ہو تو قبرستان جا کر اس کی قبر کھدوانے، غسل اور کفن کا انتظام کرنے میں مؤمن رشتے دار یا ہمسائے

محدود طور سے اعانت کر سکتے ہیں۔ تاہم اس اعانت کا پورا پورا حق دعوت دے کر وصول کریں، حکمت و بصیرت کے ساتھ موقع و محل دیکھ کر وہاں دعوتِ توحید ضرور دیں۔

اس بات کو ضرور ملحوظ رکھا جائے کہ بعض مقامات پر شدید قسم کا قبائلی ماحول ہوتا ہے، لوگ قومی رسم و رواج اور بدعات کے شدت سے پابند ہوتے ہیں اور معاشرہ پوری طرح پیشہ ور مولویوں کے قابو میں اور خود ساختہ معاشرتی بندھنوں میں جکڑا ہوتا ہے۔ ایسی جگہ اگر دو تین اہل ایمان رہائش پذیر ہوں تو ان کے لیے درج بالا اصولوں پر عمل پیرا ہونا محال بلکہ ناممکن بھی ہو سکتا ہے۔ تو ان کے لیے دو ہی راستے ہیں: یا تو وہ وہاں نہ ٹھہریں اور ہجرت کر جائیں یا عبوری دور میں اضطراری حالات کے لیے دی گئی رخصت سے کسی حد تک فائدہ اٹھالیں، یعنی صلوٰۃ المیت میں تو ہرگز شرکت نہ کریں لیکن دیگر کاموں میں (بہ کراہیت) محتاط انداز میں محض اصلاح و دعوت کے مقصد کو پیش نظر رکھتے ہوئے شرکت کر لی جائے۔ اس کے ساتھ ہی موقع و محل کے لحاظ سے صحیح دین اور سنت رسول ﷺ کی دعوت لوگوں کے سامنے پیش کرنے کی کوشش ضرور کریں، خواہ قبرستان میں بطور تلقین یا تعزیتی مجمع میں۔ البتہ وہ شخص جو مذکورہ قسم کی قبائلی جکڑبندیوں کا شکار نہیں لیکن محض رشتے داری نبھانے، برادری اور خاندان کے تعلق کو باقی رکھنے کے لیے ان تمام خلافِ شرع رسومات میں بلا جھجک شریک ہوتا ہے وہ یقیناً قابل گرفت ہو گا۔ پھر وہ لوگ جو اپنی برادری میں موجود رہنے کے لیے مشرک میت کی صلوٰۃ المیت تک پڑھ لینے سے دریغ نہیں کرتے وہ تو اپنے ایمان کی تجدید کریں کہ جانتے بوجھتے قرآن کے انکار کے مرتکب ہوئے اور مشرکانہ عقائد رکھنے والے امام کی اتباع کر کے اس حکمِ الٰہی کے تحت خود مشرک قرار پائے:

وَاِنَّ الشَّيٰطِيْنَ لَيُوْحُوْنَ اِلٰٓى اَوْلِيٰٓـئِهِمْ لِيُجَادِلُوْكُمْ ۚ وَاِنْ اَطَعْتُمُوْهُمْ اِنَّكُمْ لَمُشْرِكُوْنَ ○ (الانعام: ۱۲۱)

”...اور شیطان اپنے دوستوں کے دلوں میں ایسی باتیں ڈالتے رہتے ہیں کہ وہ تم سے جھگڑا کریں اگر تم نے ان کی بات مان لی تو یقیناً تم مشرک ہو“۔

مختصر یہ کہ مشرک کی صلوٰۃ المیت میں شرکت قطعاً ممنوع ہے، نیز تدفین وغیرہ میں شرکت

Scanned by CamScanner

بھی خلافِ سنت ہے البتہ اضطراری حالت میں کچھ رخصت ہے لیکن اس سے ناجائز فائدہ اٹھاتے ہوئے تجہیز و تکفین نہ کی جائے بلکہ صرف تدفین پر ہی اکتفا کیا جائے۔

یہاں رُک کر اس بات کو بھی سمجھ لیا جائے کہ مشرک کی وراثت میں مومن کا کوئی حصہ نہیں ہوتا اسی طرح مومن کی وراثت میں مشرک کو کوئی حصہ نہیں ملتا، اس میں کوئی اختلاف نہیں۔ اس سلسلے میں نبی ﷺ کا واضح فرمان ہے کہ:

....لَا يَرِثُ الْمُؤْمِنُ الْكَافِرَ وَلَا يَرِثُ الْكَافِرُ الْمُؤْمِنَ

"مومن کافر کا وارث نہیں ہو گا اور نہ کافر مومن کا وارث ہو گا"۔ (1)

اسی وجہ سے جب ابوطالب کا خاتمہ ایمان پر نہیں ہوا تو ان کے مومن بیٹے علی اور جعفر رضی اللہ عنہما ان کے وارث نہیں بنے بلکہ ان کے غیر مومن بیٹے طالب اور عقیل ان کے وارث ہوئے۔ (2)

ایمان والوں کے لیے اس میں عبرت ہے۔ وہ دنیا کی متاعِ عارضی کی محبت میں مبتلا نہ ہوں اور اپنے مشرک رشتے داروں کے ترکے میں سے کچھ بھی نہ لے کر ان سے براءت و بیزاری کا ثبوت دیں خواہ وہ مال تھوڑا ہو یا بہت، ہمیں ہر حال میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے حکم کو سامنے رکھنا چاہیے جس کی تعمیل کر کے صحابہ رضی اللہ عنہم نے دنیا کے سامنے بہترین مثال پیش کی۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس کی اتباع کی توفیق عطا فرمائے۔ قرآن میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ ؕ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا ؕ۝ (الاحزاب: ٣٦)

"اور کسی مومن مرد اور مومن عورت کو حق نہیں ہے کہ جب اللہ اور اس کا رسول کوئی امر مقرر کر دیں تو وہ اس کام میں اپنا بھی کچھ اختیار سمجھیں۔ اور جو کوئی اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے وہ صریح گمراہ ہو گیا۔"

مشرکوں سے رشتے داریاں

قرآن میں اللہ تعالیٰ نے مشرکین سے رشتہ و مناکحت جوڑنے سے صاف منع فرمادیا ہے:

(1) بخاری: کتاب المغازی، باب این رکز النبی ﷺ الراية يوم الفتح

(2) بخاری: کتاب الحج، باب توریث دور مكة ......

Scanned by CamScanner

وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ ؕ وَلَاَمَةٌ مُّؤْمِنَةٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكَةٍ وَّلَوْ اَعْجَبَتْكُمْ ۚ وَلَا تُنْكِحُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَتّٰى يُؤْمِنُوْا ؕ وَلَعَبْدٌ مُّؤْمِنٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكٍ وَّلَوْ اَعْجَبَكُمْ ؕ اُولٰٓئِكَ يَدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ ۖۚ

....(البقرة : ۲۲۱)

''...اور مومنہ خواتین کو مشرک مردوں کے نکاح میں نہ دو جب تک کہ وہ ایمان نہ لے آئیں مومن غلام بھی مشرک سے بہتر ہے خواہ وہ تمہیں بہت ہی پسند کیوں نہ ہو۔ یہ تو تمہیں جہنم کی طرف بلاتے ہیں...''۔

ایک مقام پر تو یہاں تک کہہ دیا کہ مشرکین اس قابل نہیں کہ ان سے کوئی مؤمن رشتۂ مناکحت جوڑے، ان سے نکاح تو ان کے جیسے مشرکین یا بدکار ہی کرتے ہیں:

اَلزَّانِيْ لَا يَنْكِحُ اِلَّا زَانِيَةً اَوْ مُشْرِكَةً ۫ وَّالزَّانِيَةُ لَا يَنْكِحُهَآ اِلَّا زَانٍ اَوْ مُشْرِكٌ ۚ وَحُرِّمَ ذٰلِكَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ (النور : ۳)

''زانی سے کوئی نکاح نہیں کرتا سوائے کوئی مشرکہ یا زانیہ اور (اسی طرح) زانیہ سے کوئی نکاح نہیں کرتا مگر کوئی مشرک یا زانی اور یہ (نکاح) مؤمنوں پر حرام کر دیا گیا ہے''۔

چونکہ مشرکین کو قرآن میں ناپاک و نجس قرار دیا گیا ہے:

اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ.....(التوبة :۲۸) ''بے شک مشرک پلید لوگ ہیں''۔

اس لیے دوسری جگہ فرمایا:

اَلْخَبِيْثٰتُ لِلْخَبِيْثِيْنَ وَالْخَبِيْثُوْنَ لِلْخَبِيْثٰتِ ۚ وَالطَّيِّبٰتُ لِلطَّيِّبِيْنَ وَالطَّيِّبُوْنَ لِلطَّيِّبٰتِ ۚ ....(النور:۲۶)

''ناپاک عورتیں ناپاک مردوں کے لیے ہیں اور ناپاک مرد ناپاک عورتوں کے لیے اور پاکیزہ عورتیں پاکیزہ مردوں کے لیے اور پاکیزہ مرد پاکیزہ عورتوں کے لیے''۔

مندرجہ بالا آیات کے مطابق مؤمنوں کو آپس میں ہی رشتے کرنے کی تاکید تھی لیکن بعد میں نازل ہونے والی سورۂ مائدہ کی درج ذیل آیت میں مؤمنوں کو اہل کتاب کی پاک دامن عورتوں سے نکاح کرنے کی رخصت دے دی گئی تاہم مؤمنہ عورت کے بارے میں مذکورہ ممانعت تاحال برقرار رہی:

Scanned by CamScanner

اَلْيَوْمَ اُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبٰتُ ؕ وَ طَعَامُ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حِلٌّ لَّكُمْ ۪ وَ طَعَامُكُمْ حِلٌّ لَّهُمْ ۫ وَ الْمُحْصَنٰتُ مِنَ الْمُؤْمِنٰتِ وَ الْمُحْصَنٰتُ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ اِذَاۤ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ مُحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ وَ لَا مُتَّخِذِيْۤ اَخْدَانٍ ؕ وَ مَنْ يَّكْفُرْ بِالْاِيْمَانِ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهٗ ۫ وَ هُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ۝ (المائدة : ۵)

''آج تمہارے لیے (ساری پاک صاف چیزیں حلال کی گئیں اور اہل کتاب کا کھانا تمہارے لیے حلال ہے اور تمہارا کھانا اُن کے لیے حلال ہے اور پاک دامن مومنہ خواتین اور (اہل کتاب) جن کو تم سے پہلے کتاب دی گئی، ان کی پاک دامن عورتیں بھی تمہارے لیے حلال ہیں جب کہ تم ان کے مہر انہیں ادا کر دو، (اس طرح کہ) تم ان کو حصارِ نکاح میں رکھنے والے ہو نہ کہ آزادانہ بدکاری کرنے والے اور نہ ہی خفیہ آشنائی رکھنے والے۔ اور جو کوئی ایمان سے منکر ہوا اس کا عمل برباد ہو گیا اور وہ آخرت میں نقصان اٹھانے والوں میں ہو گیا''۔

اہل کتاب عورتوں سے بھی نکاح کی اجازت تو ملی ہے لیکن رسول اللہ ﷺ نے اس بات پر زور دیا ہے کہ رشتے کے معاملے میں دین کو اہمیت دی جائے[1]، لہٰذا ایمان والوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ مؤمنہ خواتین ہی کو ترجیح دیں۔ اس طرح ایک تو مؤمنہ لڑکیوں کے رشتے کا مسئلہ سنگینی اختیار نہ کرے گا، دوسرے نظریاتی ہم آہنگی سے ذہنی مطابقت میں آسانی ہوتی ہے جو ازدواجی زندگی کو خوشگوار بنانے اور اولاد کی تربیت کے لیے بے حد ضروری ہے۔

درج بالا آیات کی رو سے مؤمنہ خاتون کا مشرک مرد سے رشتہ تو قطعاً حرام ہے جبکہ مومن مرد کو اہل کتاب عورتوں سے نکاح کی اجازت دیدی گئی ہے جو بطور رخصت ہی ہے کیونکہ خیر القرون میں اس کو معمول نہیں بنایا گیا جیسا کہ احادیث اور آثار صحابہ رضی اللہ عنہم کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے۔ لہٰذا ایمان کا تقاضا ہے کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے حکم کی پیروی کی جائے، مؤمن اپنے رشتے مؤمنوں میں ہی کریں اور اس معاملے میں کسی مخالفت و رکاوٹ کی پرواہ نہ کریں۔ اہل ایمان ساتھیوں کی اس مسئلے کی طرف خصوصی توجہ مطلوب ہے کیونکہ دیکھا گیا ہے کہ ساتھی بعض اوقات گھر والوں کی خواہش یا خاندانی دباؤ کے آگے سپر انداز ہو جاتے ہیں اور مختلف مسالک سے وابستہ رشتے

(1) بخاری: کتاب النکاح باب الاکفاء فی الدین

Scanned by CamScanner

سے شادی کر لیتے ہیں، پھر ضمیر کو مطمئن کرنے کے لیے حیلہ داروں یا دوست احباب کی خواتین سے شادی کر لیتے ہیں، پھر ضمیر کو مطمئن کرنے کے لیے حیلہ سازی کا انداز اپنالیا جاتا ہے: کہیں قرآن کی مذکورہ رخصت کو جواز بنالیا جاتا ہے اور کہیں یہ کہہ کر جان چھڑالی جاتی ہے کہ لڑکی اور اس کے گھر والوں کو ہماری دعوت سے اتفاق ہے، اور اُن میں سے کسی کا دو ایک دفعہ ہماری مسجد میں صلوٰۃ الجمعہ میں شامل ہو جانا یا درس کے کسی پروگرام میں شرکت کر لینا اس کا ثبوت بتایا جاتا ہے۔

ایک سنگین مسئلہ

الغرض اہل کتاب خواتین سے نکاح کی رخصت کے بے جا و بے محابا استعمال کا یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ اہل ایمان تو مشرکوں کی خواتین سے شادیاں کرتے چلے جاتے ہیں اور مؤمنہ بہن بیٹیاں کسی مؤمن کے رشتے کے انتظار میں بیٹھی رہتی ہیں اور بعض اوقات شادی کی عمر بھی گزر جاتی ہے! بلاشبہ یہ صورتحال ہماری جماعت کے لیے شدید تشویش کا باعث اور اہل ایمان ساتھیوں کے لیے سخت آزمائش اور صبر آزما امتحان ثابت ہوتی ہے۔ ان حالات میں بعض ساتھی تو بے مثال استقامت دکھاتے ہیں اور اپنی مؤمنہ بہن یا بیٹی کو مشرکوں میں بیاہ کر اپنے رب کے غیظ و غضب کو دعوت نہیں دیتے، خواہ کیسا ہی اچھا رشتہ کیوں نہ آئے، اس کو ٹھکرا دیتے ہیں اور مؤمن رشتے کے انتظار میں اپنی خواتین کے بالوں میں سفیدی اور ڈھلتی عمر بھی صبر کے ساتھ انگیز کر کے اپنے رب کی رضا پر راضی رہتے ہیں، لیکن کچھ لوگ صبر کا دامن چھوڑ بیٹھتے ہیں اور مؤمنہ خواتین کو مشرکوں سے بیاہ کر جماعت سے بھی کنارہ کشی اختیار کر لینے ہی میں عافیت سمجھ لیتے ہیں! یا اسفیٰ! بلاشبہ یہ ایک سنگین اور غور طلب مسئلہ ہے۔
بعض ساتھی برادری، خاندان، ذات پات، زبان، نسل، علاقائیت وغیرہ کی عصبیت کے سخت شکنجے میں جکڑے رہنا گوارا کرتے ہیں اور اس باطل و جاہلانہ نظام سے چھٹکارا حاصل کرنے کو محال خیال کرتے ہیں چنانچہ ان حالات میں بہن و بیٹی کا رشتہ کسی مشرک کو نہ دینا اُن کے لیے سخت امتحان ہوتا ہے اور اس میں ثابت قدمی کا ہر ایک میں یارا نہیں ہوتا۔ پھر کچھ تو منافقانہ طور سے اس باطل نظام میں ہی رہتے ہوئے

Scanned by CamScanner

اپنی بیٹی کو مشرک سے بیاہ کر داماد کو مؤمن باور کرانے کی کوشش میں لگے رہتے ہیں (کسی کو اپنی برادری کا ایسا کچاپکا آدھا تیتر آدھا بٹیر مادھو بھی مل جاتا ہے جو درس کے اجتماعات میں کبھی کبھار منہ دکھائی کر دیتا ہے تاہم برادری کے بائیکاٹ کے "نقصانات" سے بچنے کے لیے نکاح اسی مشرکانہ طریقے سے برادری کے مشرک مولوی سے پڑھواتا ہے) اور کچھ تو جماعت کو ہی خیر باد کہہ جاتے ہیں۔ کچھ ایسے جی دار بھی دیکھنے میں آتے ہیں جو بے دھڑک بہن بیٹی مشرک کو دے دیتے ہیں اور جب پکڑ کی جاتی ہے تو لاعلمی کا اظہار کرتے ہوئے پیچھا چھڑانے کی کوشش کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ آپ نے پہلے کبھی بتایا ہی نہیں کہ مشرکوں کو رشتہ نہیں دینا۔ مگر کچھ لوگ مؤمنہ بہن بیٹی مشرکوں کو دینے کے لیے ہٹ دھرمی کا انداز اپنا کر یہ حیلہ تراشتے ہیں کہ وہ خواتین خود بھی مشرک ہیں! بلکہ ایسا کہنے سے بھی گریز نہیں کرتے کہ جتنی توحید میری بیٹی کو آتی ہے اتنی میرے داماد کو بھی آتی ہے! حالانکہ اس سے پہلے فطرے کی ادائیگی کے وقت یا دیگر مواقع پر تو ان کو مؤمنہ ہی شمار کیا جاتا رہا تھا۔ بہر حال، ایمان میں یکسو کسی گھرانے میں پیدا ہو کر اسی ماحول میں پرورش پانے والی لڑکی کا پوری طرح مؤمن نہ ہونا باعث حیرت ضرور ہے اور اس کے مؤمن والدین کے لیے قابل گرفت کہ بیس پچیس سال میں بھی اپنی اولاد کو صحیح مؤمن نہیں بنا سکے، اور بصورت دیگر صرف مشرک کو رشتہ دے کر اللہ کی نافرمانی کے الزام سے بچنے کے لیے ایک مؤمنہ کے ایمان کو مشکوک قرار دے دینا بڑی ہی غیر سنجیدہ اور قابل مذمت روش ہے۔ اَعَاذَنَا اللّٰہُ مِنْ ذَالِكَ! کیسے جری اور نڈر ہیں یہ لوگ کہ جانتے بوجھتے جھوٹ بول کر خود کو اللہ کی لعنت کا مستحق بناتے ہیں! ان کا جھوٹ اس وقت کھل جاتا ہے جب وہ زبردستی کی بنائی ہوئی "مشرکہ" بہن بیٹی مشرکوں میں بیاہ کر اپنی سسرال کے مشرکانہ کاموں میں حصہ نہیں لیتی اور پھر نتیجتاً بدمزگیاں پیدا ہوتی ہیں اور نوبت علیحدگی تک بھی پہنچ جاتی ہے۔ مشرکوں سے بیاہنے کی خاطر اپنی مؤمنہ بہن بیٹی کو مشرک قرار دینے والوں کو نبی ﷺ کا یہ فرمان بھی یاد رکھنا چاہیے کہ مؤمن کو کافر کہنے پر کفر اُسی کی طرف پلٹتا ہے(1)۔ اس طرح بظاہر عقیدے کی کسی خرابی میں مبتلا نہ ہونے کے باوجود صحیح العقیدہ مسلمانوں کو

(1) بخاری: کتاب الادب باب من کفر اخاہ بغیر تاویل فھو کما قال

Scanned by CamScanner

کافر کہنے والے بالآخر مرتد ہو جاتے ہیں، کیونکہ ایمان کا اقرار کر کے کافر ہونا ہی مرتد ہو جانا ہے۔ بہر حال شادی کے لیے حیلہ سازی کی روش اختیار کرنے والوں کی جتنی بھی مذمت کی جائے کم ہے۔ کیا ایسے لوگ اس قابل رہتے ہیں کہ اہل ایماں ان سے کوئی تعلق رکھیں؟ ایسے لوگوں سے نفرت اور بیزاری کا اظہار دوسروں کے لیے تازیانۂ عبرت ہو گا اور خود اُن کے لیے بھی۔ عجب نہیں کہ اللہ تعالیٰ انہیں توبہ اور رجوع الی اللہ کی توفیق عطا فرمادے۔

ہماری جماعت وقتاً فوقتاً جس صورتحال سے دوچار ہوتی رہتی ہے، یہاں اس کے مختلف پہلوؤں کو کچھ تفصیل سے بیان کر دیا گیا ہے تاکہ مسئلے کی اہمیت کا پوری طرح اندازہ ہو جائے اور لاعلمی کا عذر پیش کرنے کی گنجائش نہ رہے، ورنہ حقیقت تو یہ ہے کہ صحیح معنوں میں اللہ پر ایمان و توکل رکھنے والے اگر پورے عزم کے ساتھ صورتحال کا مقابلہ کرلیں تو ایمان میں بالیدگی آئے گی، تقویت ملے گی اور اطمینانِ قلب حاصل ہو گا۔ رشتہ ملنے میں کچھ تاخیر ہو تو بھی صبر اور توکل علی اللہ کے ساتھ انتظار کیا جائے، لیکن مؤمن بیٹی کا رشتہ مشرک مرد کو ہر گز نہ دیا جائے۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ دور جاہلیت میں کم سنی میں ہی بچوں کے رشتے طے کر لیے جاتے ہیں، ایمان لانے کے بعد ایسے تمام معاہدے جو اللہ کی شریعت کے خلاف ہوں، کالعدم ہو جاتے ہیں چنانچہ اُن رشتوں کو ختم کر دینا چاہیے اور ایمان کی شرط کے ساتھ لڑکی اور لڑکے کی رضامندی کے مطابق ہی رشتہ طے کرنا چاہیے۔ اس سلسلے میں آنے والی آزمائش کو انگیز کرنا بھی صبر و ثابت قدمی کا امتحان ہے۔ **یہ بات اشد ضروری ہے کہ گھر والوں اور رشتے داروں کو اس اہم مسئلے سے آگاہ کیا جائے۔**

مناسب ہو گا کہ اس مقام پر زیر نظر مسئلے میں جماعت کا متفقہ فیصلہ بھی نقل کر دیا جائے:

(الف) **مؤمنہ بیٹی مشرک سے بیاہنے کا معاملہ:** اگر کوئی مؤمن ساتھی اپنی مؤمنہ بیٹی کسی فرقہ پرست کے نکاح میں دیتا ہے تو اُس ساتھی سے مکمل براءت کا اعلان کیا جائے گا۔ ایسا شخص اس وقت تک ہمارا ساتھی نہیں ہو گا جب تک یہ شخص از خود سب کے سامنے صدقِ دل سے توبہ نہ کرے، اور:

۱۔ اپنے داماد کو دعوت دے اور وہ صدقِ دل سے ایمانِ خالص قبول کرے،

۲۔ اپنی بیٹی کو گھر بٹھائے جب تک اس کا داماد دعوتِ حق کو تسلیم نہ کر لے، یا

۳۔ اگر داماد ایمان قبول نہیں کرتا اور اس کی بیٹی اپنے شوہر سے علیحدگی اختیار نہیں کرتی تو مذکورہ شخص اپنی بیٹی اور داماد سے مکمل براءت کا اعلان کرے۔ اور اگر ایسا شخص ان میں سے کوئی کام بھی نہیں کرتا تو پھر تمام ساتھی اس سے براءت کا اعلان کریں گے کہ ''فلاں شخص'' ہمارا ساتھی نہیں ہے۔

(ب) **مشرکوں کی طرف مائل بیٹی مشرک کو دینے کا معاملہ:** اگر کسی مؤمن کی بیٹی مشرکوں کی طرف مائل ہو (یعنی باپ اس کو مؤمنہ سمجھ رہا تھا لیکن بیٹی کا اقرار ہو کہ وہ بات سمجھی ہی نہیں تھی) تو باپ نکاح سے پہلے اس بارے میں اپنے نظم کو مطلع کرے گا۔ اگر تحقیق سے یہ بات ثابت ہو جائے تو وہ مؤمن ساتھی بری الذمہ ہو گا اور اس کی بیٹی کو مشرکہ ہی سمجھا جائے گا۔ لیکن اگر بیٹی ایمان کے اقرار کے بعد پلٹ گئی ہے تو وہ مرتدہ ہے اور اس کے ساتھ مرتدوں والا سلوک ہو گا جس کی تفصیل اگلے صفحات میں آرہی ہے۔

مؤمنہ بیوی اور مشرک شوہر میں تفریق کا مسئلہ

درج بالا مسائل پر معمولی عزم وہمت سے کام لے کر قابو حاصل کیا جا سکتا ہے۔ اسی طرح اگر پہلے سے شادی شدہ مرد و عورت میں سے اگر مرد ایمان لے آئے تو بھی کوئی خاص دشواری پیش نہیں آتی کیونکہ اہل کتاب مشرکہ سے نکاح کی رخصت دی گئی ہے۔ البتہ مشرک شوہر کی مشرکہ بیوی کے ایمان لانے کی صورت میں کچھ پیچیدہ صورتحال کا سامنا ہوتا ہے۔ سورہ ممتحنہ میں صاف حکم ہے کہ:

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا جَآءَكُمُ الْمُؤْمِنٰتُ مُهٰجِرٰتٍ فَامْتَحِنُوْهُنَّ ؕ اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِاِيْمَانِهِنَّ ۚ فَاِنْ عَلِمْتُمُوْهُنَّ مُؤْمِنٰتٍ فَلَا تَرْجِعُوْهُنَّ اِلَى الْكُفَّارِ ؕ لَا هُنَّ حِلٌّ لَّهُمْ وَلَا هُمْ يَحِلُّوْنَ لَهُنَّ ؕ وَاٰتُوْهُمْ مَّآ اَنْفَقُوْا ؕ ..... (الممتحنة: ۱۰)

"اے ایمان والو! جب تمہارے پاس ہجرت کر کے مؤمنہ عورتیں آئیں تو ان (کے ایمان) کو جانچ لیا کرو۔ اللہ ان کے ایمان کو زیادہ جانتا ہے۔ پھر اگر تم جان لو کہ وہ (واقعی) ایمان والیاں ہیں تو پھر انہیں

Scanned by CamScanner

(ان کے) کفار (شوہروں) کی طرف نہ لوٹاؤ (کیونکہ) یہ اُن کے لیے حلال نہیں اور وہ اِن کے لیے حلال نہیں۔ اور جو (مہر وغیرہ میں) ان کے کافر شوہروں نے خرچ کیا ہو، وہ انہیں ادا کر دو"۔

یہاں ایمان لانے والی خواتین کی مشرک شوہروں سے تفریق کرا دینے کا واضح حکم دیا گیا ہے۔ سورۂ ممتحنہ کا یہ حکم صلح حدیبیہ کے بعد نازل ہوا جبکہ مدینے میں اسلامی ریاست قائم ہو گئی تھی اور حدود و قیود کی آیات کا نزول بھی ہونے لگا تھا اور اُن کا نفاذ بھی ممکن ہو گیا تھا۔ اسلام کے ریاستی شکل اختیار کر لینے سے پہلے تو قصاص و دیت، قتل و سرقہ، زنا و قذف وغیرہ کی حدود کا نفاذ ممکن نہ تھا چنانچہ ایسے احکامات بھی اس وقت تک نازل نہ ہوئے تھے۔ آج بھی یہی صورتحال ہے۔ اسلامی ریاست کے بغیر ان حدود کا نفاذ ممکن نہیں۔ سورہ ممتحنہ میں مؤمنہ خاتون کی مشرک شوہر سے تفریق کا حکم بھی عملاً اسی نوعیت کا ہے۔ بلاشبہ مؤمنہ خاتون مشرک کے لیے حلال نہیں اور وہ مشرک بحیثیت شوہر مؤمنہ خاتون کے لیے حلال نہیں تاوقتیکہ وہ ایمان خالص نہ لے آئے، چنانچہ اسلامی ریاست کی موجودگی میں اس حکم کے نزول کے بعد فوراً اس پر عمل درآمد شروع ہو گیا، اور اُم کلثوم بنت عقبہ بن ابی معیط رضی اللہ عنہا کو واپس نہ کیا گیا اور اسی طرح دیگر خواتین کا معاملہ ہوا۔ اسلامی ریاست کی تشکیل سے پہلے کے واقعات میں زینب رضی اللہ عنہا بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا واقعہ ہے جو ابو العاص بن ربیع کے نکاح میں تھیں۔ ابو العاص بدر میں قید ہوئے تو زینب رضی اللہ عنہا نے اپنی والدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کا ہار بطور فدیہ بھیجا۔ اس کو دیکھ کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر رقت کی کیفیت طاری ہو گئی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے کہنے پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بخوشی وہ ہار ابو العاص کو واپس کر دیا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن سے یہ کہا کہ وہ زینب رضی اللہ عنہا کو مدینہ بھیج دیں، اور زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو انہیں لانے کے لیے بھیجا[1]۔ چنانچہ وہ مدینہ آ گئیں اور وفات تک وہیں قیام پذیر رہیں۔ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت میں ہے کہ (جب ۸ ہجری میں ابو العاص رضی اللہ عنہ ایمان لائے اور مدینہ آ گئے تو) نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیٹی زینب رضی اللہ عنہا کو تجدید نکاح کے بغیر ہی ابو العاص رضی اللہ عنہ کے پاس رخصت کر دیا[2]۔ ابو داؤد کی دوسری روایت جو ضعیف ہے، اس کے مطابق تجدید نکاح ہوئی اور نیا مہر مقرر ہوا۔ اس مسئلے میں دو مسلک ملتے ہیں ایک یہ کہ مؤمنہ بیوی کی عدت پوری ہونے تک اگر مشرک شوہر

(1) ابوداؤد: کتاب الجهاد، باب فی فداء الاسیر بالمال

(2) ابوداؤد: کتاب الطلاق، باب الی متی ترد علیه امرأته اذا اسلم بعدها

Scanned by CamScanner

ایمان نہ لایا تو نکاح فسخ ہو جائے گا۔ دوسرا یہ کہ عدت کے بعد خاتون کو اختیار ہے، چاہے وہ نکاح کو باقی رکھے اور چاہے تو نکاح فسخ کرا کے دوسرا نکاح کر لے (ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت کے مطابق زینب رضی اللہ عنہا نے نکاح فسخ نہ کرایا لیکن شوہر کے ایمان کے قبول کرنے تک علیحدگی اختیار کی)۔ بہر صورت، اصل مسئلہ نکاح فسخ کرانے کا ہے۔ اسلامی ریاست کی موجودگی میں تو ارباب اختیار کو تعمیل حکم کرانے میں کوئی دشواری نہیں لیکن بصورت دیگر عملی دشواریوں کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے۔ نفاذ اسلام کے لیے سعی و جہد کرنے والی جماعت کس حد تک ان عملی دشواریوں پر قابو پا سکتی ہے، اس کا جائزہ لینے کے بعد یہی نتیجہ سامنے آتا ہے کہ جب تک ریاستی اختیارات حاصل نہ ہوں یہ جماعت دیگر حدود کو بھی نافذ نہیں کر سکتی۔ لہٰذا اس معاملے میں درج ذیل موقف اختیار کیا گیا ہے:

مؤمنہ خاتون کے لیے ایمان لانے کے بعد مشرک شوہر کے ساتھ رہنے کا کوئی جواز نہیں، علیحدگی کے لیے قوت نافذہ اور ضروری اختیارات نہ ہونے کے سبب عملی پہلوؤں کو مد نظر رکھا جائے۔ اگر خاتون کے لیے کسی بھی طرح ممکن ہو وہ شوہر کو ایمان کی دعوت دے اور اس کو ایمان قبول کرنے پر راغب کرے لیکن مایوسی کی صورت میں وہ فوراً ہی علیحدگی اختیار کر لے، اپنے والدین کے یہاں رہائش اختیار کرے یا مؤمن محرموں کے یہاں تاوقتیکہ شوہر ایمان لے آئے۔ اگر حالات اس کے لیے موافق نہ ہوں اور علیحدگی کسی بھی طرح ممکن نہ ہو اور اس کے لیے کوئی جائے پناہ بھی میسر نہ ہو تو پھر اضطراری صورتحال تصور کی جائے۔

مؤمنوں کی شادیاں کیسی ہوں؟

بیاہ شادی سے متعلق بکثرت سوال پوچھے جاتے ہیں۔ اس لیے مناسب معلوم ہوا کہ اس ضمن میں مؤمن ساتھیوں کی رہنمائی کے لیے کچھ ضروری باتیں ضبط تحریر میں لے آئی جائیں۔ جیسا کہ پہلے فرمان نبوی نقل کیا گیا کہ نکاح کرتے وقت دینداری ملحوظ رکھنی چاہیے، یہود و نصاریٰ کی طرح مال و دولت، حسن و جمال اور حسب و نسب نہیں۔ بخاری و مسلم کی کتاب النکاح کی روایات سے پتہ چلتا ہے کہ زوجین کا ہم پلہ ہونا بھی دیکھا جائے۔ آج کے تناظر میں زوجین کی عمر، تعلیم و تربیت اور متعلقہ امور کو بھی پیش نظر

Scanned by CamScanner

رکھا جائے۔ ان میں بہت زیادہ فرق ہونا ذہنی ہم آہنگی کو متاثر کرتا ہے۔ اس لیے کوشش کی جائے کہ یہ فرق کم سے کم رہے۔ اگر جوڑ کا مناسب رشتہ نہ مل رہا ہو تو اپنی زبان، برادری اور نسل و علاقے کے رشتے کی تلاش میں خواہ مخواہ لڑکی کی عمر نہ گنوانا چاہیے بلکہ کچھ کم پر ہی راضی برضا ہو جانا چاہیے۔ بعض علاقوں میں یہ رواج ہوتا ہے کہ اپنے خاندان سے باہر شادی نہیں کرتے چاہے لڑکی بوڑھی ہو جائے۔ اسی طرح وَنِی کی مذموم رسم کی طرح وٹّے سٹّے کا بھی ناپسندیدہ رواج پایا جاتا ہے یعنی لڑکی کے بدلے لڑکی خواہ کوئی کمسن بچی کسی بوڑھے سے بیاہنا پڑے یا بڑھیا کسی بچے سے بیاہی جائے۔ شریعت میں ویسے تو وٹے سٹے کی شادی ممنوع نہیں البتہ اس بات کی ممانعت ہے کہ ادلے بدلے میں مہر نہ دیا جائے یعنی "الف" کی بہن کی شادی "بے" سے اس شرط پر طے کی جائے کہ "بے" کی بہن کی شادی "الف" سے ہو اور دونوں اپنی بیویوں کو مہر نہیں دیں گے اور ایک کی مہر دوسری کا بدل ہو گی[1]۔ تاہم وٹے سٹے کی شادی کے بڑھتے ہوئے مفسدات کے پیشِ نظر اس غلط رسم کی بھی حوصلہ شکنی کرنی چاہیے۔ بدقسمتی سے بعض ایماندار گھرانوں میں بھی اس کا رواج ہے۔ اگر "الف" کی بہن سسرال میں خوش نہیں، اسے اپنے شوہر "بے" کی طرف سے بے توجہی کی شکایت ہے، مالی پریشانیوں کا سامنا ہے تو وہ بدلے میں اپنے بھائی "الف" سے بیاہی جانے والی "بے" کی بہن کے ساتھ بھی ایسا ہی سلوک چاہتی ہے بلکہ "الف" کے گھر والوں میں بھی بدلے اور انتقام کے جذبات پروان چڑھ جاتے ہیں۔ بعض اوقات یہ رنجش صرف زبردستی کی طلاق پر ہی منتج نہیں ہوتی بلکہ اس میں خون خرابہ بھی ہوتا ہے اور دو خاندانوں میں دشمنی پڑ جاتی ہے اور کئی جانیں ضائع ہو جاتی ہیں۔ اس کا سبب یہی وٹے سٹے کی غلط رسم ہوتی ہے۔ اس کے ان خوفناک نتائج کے سبب اس کا خاتمہ ہونا چاہیے اور ایمان والوں کو اس سے دور رہنا چاہیے۔

بعض لوگ مخطوبہ (جس لڑکی کا رشتہ کیا جا رہا ہو) کو ایک نظر دیکھ لینے والی حدیث کا غلط مطلب لیتے ہوئے لڑکے اور لڑکی کی ملاقات بھی کرواتے ہیں۔ نکاح سے پہلے یہ دونوں غیر محرم ہوتے ہیں اور غیر محرموں کی یہ ملاقات قطعاً جائز نہیں۔ غیر محرم کے ساتھ تنہا ہونے کی مذمت میں متعدد احادیث مروی ہیں۔ مخطوبہ پر نظر ڈالنے کا صاف مطلب یہی ہے کہ خواتین اسے اچھی طرح دیکھ لیں۔ ورنہ اگر

(1) صحيح بخاري: كتاب النكاح، باب الشغار

Scanned by CamScanner

کسی شخص کی کوئی خاتون عزیزہ موجود نہ ہوں تو کم از کم اُس لڑکی کو محرم مَردوں کی موجودگی میں صرف آنکھیں کھلی رکھ کر پردے میں دکھادیا جائے کیونکہ مذکورہ حدیث میں صرف آنکھوں کا ہی تو ذکر ہے کہ انصار کی آنکھوں میں فرق ہوتا ہے، نکاح سے پہلے ایک نظر دیکھ لیا کرو(1) یعنی صرف آنکھیں دیکھ لیا کرو جو کہ ایک مؤمنہ خاتون پردے میں کھلی رکھتی ہے۔ ورنہ اس بات کی تو قطعی اجازت نہیں ہوسکتی کہ لڑکا لڑکی کو دیکھے اور ناپسند کردے، دوسری کو دیکھے اور اپنے مزعومہ مطلوبہ معیار کی نہ پاکر اُسے بھی ردّ کردے اور اسی طرح کرتا رہے تا آنکہ گوہرِ مراد پالے۔ جیسا کہ عرض کیا گیا، دینداری اور تقویٰ معیار ہونا چاہیے۔ اور اس عام معیار کا مطلوبہ رشتہ مؤمنوں میں باآسانی مل سکتا ہے۔ دنیا پرستوں کی طرح جھوٹے معیار قائم کرکے گوہرِ نایاب کی تلاش میں دوڑ دھوپ کرنا مؤمنوں کا شیوہ نہیں۔

رشتہ طے ہوجانا ہی عرفِ عام میں منگنی کہلاتا ہے تاہم اس کے لیے لمبی چوڑی دعوتیں کرنا، جوڑوں توڑوں کا لین دین کرنا، طرح طرح کی رسمیں ادا کرنا، اسلام کی تعلیمات نہیں۔ جب رشتہ طے ہوجائے تو بے جا طول نہیں دینا چاہیے بلکہ سادہ طریقے سے جلد نکاح کردینا چاہیے۔ رشتہ طے ہوجانے کے بعد بھی نکاح ہونے تک لڑکا لڑکی دونوں ایک دوسرے کے لیے غیر محرم ہی رہتے ہیں اس لیے ان میں آپس میں بات چیت، میل ملاپ کی اجازت نہیں۔ نکاح سے پہلے مہندی مایوں وغیرہ کی رسموں اور شادی کے لیے بارات جمع کرکے ناچ گانے کی اسلام میں کوئی گنجائش نہیں۔ صرف بچیوں کے دَف بجانے کی اجازت ہے جس کے ساتھ حربی قسم کے اشعار اور ترانے پڑھے جاسکتے ہیں جیسا کہ انصار کی شادیوں میں ہوتا تھا جس کو نبی ﷺ نے روا رکھا۔ شادی میں عورتوں اور بچوں کو بھی مدعو کیا جاسکتا ہے۔ بخاری کی روایت کے مطابق نبی ﷺ نے ایک شادی سے انصار کی عورتوں اور بچوں کو لوٹتے ہوئے دیکھ کر اُن سے اپنی محبت کا اظہار کیا(2)۔ تاہم لوگوں کو جمع کرنا ضروری نہیں۔ عشرہ مبشرہ میں شامل نبی ﷺ کے ہر وقت کے ساتھی عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ نے نکاح کیا تو نبی ﷺ

(1) صحیح مسلم: کتاب النکاح، باب ندب النظر الی وجه المرأة و کفیها لمن یرید تزوجها
(2) بخاری: کتاب النکاح باب ذهاب النساء والصبیان الی العرس

Scanned by CamScanner

تک کو بلانا ضروری نہ سمجھا۔ نبی ﷺ نے خوشبو کا رنگ دیکھ کر پوچھا تو انہوں نے بتایا کہ میں نے نکاح کیا ہے۔ نبی ﷺ نے برکت کی دعا دی اور ولیمہ کرنے کو کہا۔(1)

مؤمنوں کے نکاح سمیت دیگر سرگرمیوں کیلئے بھی مسجد کو مرکز بنانا چاہیے۔ترمذی کی ایک کمزور روایت میں تو نبی ﷺ کا حکم نقل کیا گیا ہے کہ نکاح مسجد میں کیا جائے۔(2)

یہاں آج کل ہونے والے ٹیلی فونک نکاح کے بارے میں یہ بات سمجھ لینی چاہیے کہ ٹیلی فونک نکاح انتہائی ناپسندیدہ فعل ہے، صرف مجبوری اور اضطراری حالت میں ضروری تصدیق اور اطمینان کر کے رخصت دی جاسکتی ہے۔

تقریبِ نکاح میں لوگوں کو جمع کرکے کھانا کھلانا کسی حدیث سے ثابت نہیں، یہ بالکل غلط رسم ہے جس میں شرکت نہ کرکے اس کی حوصلہ شکنی کرنا چاہیے۔غلط رسم ورواج اسی وقت ختم ہوسکتے ہیں جب اُن کے بارے میں ذرا سخت رویہ اپنایا جائے ورنہ اگر اغماض برتا اور تسامح (چشم پوشی) سے کام لیا اور یہ سوچ کر چھوڑ دیا کہ چلو خوشی کا موقع ہے، کون سا روز روز ایسا ہوتا ہے...... تو پھر یہ غلط رسمیں کبھی ختم نہ ہونگی بلکہ شدت اختیار کرلیں گی جیسا کہ اب کرلی ہے جس کا ثبوت یہ ہے کہ ناک اونچی رکھنے کے لیے بڑھ چڑھ کر ضیافت کا اہتمام کیا جاتا ہے، بغیر کھلائے نکاح کی تقریب کو میّت میں آنا کہا جاتا ہے، حکومت کی پابندی کے باوجود حیلوں بہانوں سے نذر ونیاز کے نام پر یہ دعوتیں کی جاتی ہیں، پابندی ختم کرنے کی اپیلیں کی جاتی ہیں، پابندی اٹھنے پر خوشی کا اظہار کیا جاتا ہے۔ایمان کے دعویداروں میں بھی اس کھانے کے لیے حیلے کیے جاتے ہیں، کچھ لوگ تو بیٹے کا ولیمہ بیٹی کے نکاح کے دن رکھ لیتے ہیں کہ ایک پنتھ دو کاج والا معاملہ ہو جائے گا۔کچھ لوگ دور سے آنے والے مہمانوں کا بہانہ کرکے سب کو کھانا کھلا دیتے ہیں تو کچھ لوگ چائے پانی کے نام پر کھانے سے زیادہ کے لوازمات کا اہتمام کرلیتے ہیں۔کچھ لوگ بیٹی کی رخصتی اتنی دیر سے کرتے ہیں کہ کھانے کا وقت ہو جاتا ہے اور پھر سب کی ضیافت ہوتی

(1) صحیح بخاری: کتاب النکاح باب الصفرة للمتزوج
(2) جامع الترمذی: ابواب النکاح،باب ما جاء في إعلان النكاح

Scanned by CamScanner

ہے۔ یاد رکھیے سنتِ رسول ﷺ کی مخالفت کرنے کے لیے کیے جانے والے ان حیلوں کا اللہ تعالیٰ کے یہاں جواب دینا پڑے گا۔ کیا ایمان والوں کے لیے ناک اونچی رکھنے اور جھوٹی شان و شوکت دکھانے سے بہتر نبی ﷺ کا اسوۂ حسنہ کافی نہیں؟ اس میں صرف دور دراز سے مدعو کیے جانے والے مہمانوں کے لیے کچھ گنجائش نکلتی ہے جو گھر والوں کی طرح کھانے کے وقت کھانا کھا سکتے ہیں تاہم لمبی چوڑی ضیافتوں کی قطعی کوئی گنجائش نہیں کہ خلافِ سنت ہے اور نبی ﷺ کا واضح فرمان ہے کہ:

.... فَمَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِيْ فَلَيْسَ مِنِّيْ

"پس جس نے میری سنت سے اعراض کیا، وہ مجھ سے نہیں۔" (1)

اور .... مَنْ عَمِلَ عَمَلاً لَّيْسَ عَلَيْهِ اَمْرُنَا فَهُوَ رَدٌّ

"جس نے کوئی ایسا کام کیا جس کا ہم نے حکم نہیں دیا تو وہ عمل رد ہو گا۔" (2)

نکاح کے کھانے کے علاوہ اور بھی کئی غلط رسموں کا رواج پڑ گیا ہے مثلاً دلہا دلہن کی منہ دکھائی، اس منہ دکھائی پر غیر محرم مَردوں عورتوں کا جمع ہو کر دلہا دلہن کو دیکھنا اور بڑھ چڑھ کر رقمیں اور تحائف دینا، دلہن کی بہنوں کا اپنے دلہا بہنوئی کا جوتا چھپانا، مرچوں کا پان کھلانا، ٹوٹی کھاٹ پر چادر ڈال کر اسے بٹھانا، تیز نمک کی چائے پلانا...... غرض طرح طرح سے اس غیر محرم سے ٹھٹھول کرنا جس سے انہیں پردہ کرنا چاہیے تھا کہ اللہ کا حکم ہے۔ یہ چھچھورپن ہندوؤں میں پایا جاتا ہے جہاں اس طرح کی رسومات کی کوئی حد نہیں۔ ایمان والوں کو صحابہ رضی اللہ عنہم کا طریقہ اور اسوۂ رسول ﷺ سامنے رکھنا چاہیے اور اللہ کے دشمنوں کے طور طریقوں سے نفرت ہونی چاہیے۔

شادی پر لڑکی کو جہیز دینا بھی ایک ہندوانہ رسم ہے۔ اس کے بغیر ہندو معاشرے میں کسی بیاہ کا تصور بھی محال ہے۔ اس کے لیے لڑکی پیدا ہوتے ہی تیاری شروع کر دی جاتی ہے۔ عمر بھر کی تیاری کے بعد بھی اگر مطلوبہ جہیز نہ دیا جا سکے تو لڑکی ساری زندگی سسرال میں طعنے سنتی ہے۔ شادی ناکام ہو جاتی ہے اور لڑکی کی زندگی اجیرن ہو جاتی ہے۔ اسلام نے شادی کے لیے ایسی کوئی قید نہیں لگائی۔ اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کی زندگی کو قیامت تک ایمان والوں کے لیے بہترین نمونہ بنایا ہے۔ (الاحزاب:۲۱) نبی ﷺ کی اپنی گیارہ شادیاں اور چار بیٹیوں کی شادیاں انتہائی سادگی سے انجام پائیں۔ کسی دھوم

(1) صحيح البخاري: كتاب النكاح، باب الترغيب في النكاح

(2) صحيح مسلم: كتاب الاقضية باب نقض الاحكام الباطلة ورد محدثات الامور

Scanned by CamScanner

دھام اور تزک و احتشام کا مظاہرہ نہیں کیا گیا۔ نہ ہی کوئی لمبا چوڑا جہیز دے کر اس کی نمائش کی گئی۔ نسائی کی روایت کے مطابق نبی ﷺ نے اپنی بیٹی فاطمہ رضی اللہ عنہا کو شادی کے موقعے پر ایک کالی چادر، ایک مشکیزہ اور ایک تکیہ دیا جس میں اِذخر گھاس بھری ہوئی تھی[1]۔ احادیثِ صحاح میں اس کا تذکرہ نہیں کہ یہ سامان نبی ﷺ نے اپنے ذرائع سے دیا تاہم تفاسیر میں بیان کیا جاتا ہے کہ علی رضی اللہ عنہ کی ایک زِرّہ بیچ کر مہر مقرر کیا گیا اور اُسی رقم سے یہ چیزیں خریدی گئیں۔ بہر حال یہ بات طے شدہ ہے کہ یہ سامان بھی اس لیے خریدا گیا کہ علی رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ کے پاس ہی پرورش پائی اور شادی تک ان کا اپنا کوئی گھر نہ تھا۔ ورنہ اگر لڑکی بیاہ کر پہلے سے قائم مستقل گھر میں جائے تو پھر کسی جہیز کی ضرورت نہیں۔ اس غلط اور ہندوانہ رسم کو بھی مٹانے کے لیے سخت انداز اپنانا ہوگا ورنہ اگر یہ کہہ کر جہیز دیا جاتا رہا کہ چلو بچی کی خوشی کا موقع ہے، کون سا روز روز دیں گے، زندگی میں ایک بار ہی سارا دے دیتے ہیں تو پھر کبھی بھی اس کا خاتمہ نہ ہو سکے گا اور اس کے اندر اور شدت پیدا ہوتی چلی جائے گی، اہل ثروت کی قائم کردہ بری مثالیں غریب ساتھیوں کے لیے سخت پریشانیاں پیدا کرتی رہیں گی۔

یہاں اس ضروری امر کی طرف بھی نشاندہی کر دی جائے کہ دیہی علاقوں کے زمیندارانہ ماحول میں لڑکی کو بھاری بھرکم جہیز دے کر یہ سمجھا جاتا ہے کہ بس اب اس کا وراثت میں کوئی حصہ نہیں رہا۔ یہ ایک لغو اور باطل تصور ہے۔ جہیز کا شریعتِ اسلامی میں کوئی حکم نہیں جبکہ وراثت کے حصے تو اللہ کی طرف سے مقرر کردہ ہیں۔ (النسآء: ۱۱) جنہیں قرآن میں حدود اللہ قرار دیا گیا ہے جن کی پابندی پر جنت کے داخلے کی خوشخبری سنائی گئی ہے (النساء: ۱۳) اور جن کی خلاف ورزی پر نارِ جہنم سے ڈرا کر ذلت آمیز عذاب کی وعید سنائی گئی ہے (النساء: ۱۴)۔

شادی بیاہ کے مفسدات میں مہر کے معاملے میں افراط و تفریط بھی ہے۔ اس کے تعین میں کہیں جھگڑے تو کہیں بدمزگی پیدا ہو جاتی ہے۔ جہلاء میں ساڑھے بتیس روپے مہر مقرر کرنا "شرع محمدی" کہلاتا ہے جو بالکل بے اصل ہے۔ اسی طرح بعض لوگوں میں لاکھوں کا مہر مقرر کیا جاتا ہے جسے لڑکی

(1) کتاب النکاح، باب جھاز الرجل ابنته

Scanned by CamScanner

والے یہ سوچ کر مقرر کرتے ہیں کہ لڑکی سکھی رہے گی، لڑکے والے دباؤ میں رہیں گے اور اسے طلاق دینا مشکل ہوگا اور لڑکے والے بھی یہ سوچ کر قبول کر لیتے ہیں کہ کون سا ہم نے دینا ہے۔ کہیں "عین" اور "واؤ" کا جھگڑا اٹھ کھڑا ہوتا ہے یعنی مہرِ معجل جسے نکاح کے بعد بیوی سے ملنے سے پہلے ادا کیا جاتا ہے اور مہرِ مؤجل جسے کسی مقررہ وقت پر عند الطلب یعنی مطالبہ کرنے پر ادا کیا جاتا ہے۔ احادیث کے مطالعے سے یہی پتہ چلتا ہے کہ مہر کی ادائیگی فوراً ہونی چاہیے۔ جب تک مہر ادا کرنے کی استطاعت نہ ہوتی تو اس وقت تک نکاح ہی نہ کیا جاتا تھا۔ اس معاملے میں وہ مشہور حدیث قول فیصل ہے جس میں ایک غریب شخص کی نبی ﷺ نے ایک عورت سے شادی کر دی جس کا مہر کچھ بھی میسر نہ ہونے کے سبب یہ مقرر کیا گیا کہ وہ شخص اس عورت کو قرآن کی چند سورتیں ہی سکھادے۔ نبی ﷺ نے اس شخص کو پہلے کئی دفعہ بھیجا کہ دیکھ کر آئے شاید اس کے گھر میں مہر میں دینے کے لیے کوئی چیز مل جائے۔ آخر میں یہاں تک کہا کہ کوئی لوہے کی انگوٹھی ہی لے آئے مگر اس غریب شخص کے پاس کچھ بھی نہ تھا[(1)]۔ اگر مہر کو فوراً نہیں بلکہ بعد میں کبھی دینا ہوتا تو نبی ﷺ اس شخص کو بار بار نہ بھیجتے بلکہ مہرِ مؤجل یعنی بعد میں دی جانے والی مہر پر نکاح کر دیتے۔ ثابت ہوا کہ مہر کو معجل یعنی فوراً ادا کرنا چاہیے اور اگر اس کی استطاعت نہ ہو تو نکاح ہی نہ کیا جائے۔ یہ صورت بھی قابلِ قبول معلوم ہوتی ہے کہ مہر کا نصف یا زائد حصہ معجل مقرر کر کے فوراً ادا کر دیا جائے اور بقیہ مؤجل طے کر کے بعد میں ادا کر دیا جائے جب اس کے ادا کرنے کی طاقت ہو۔ ایسا نہ کیا جائے کہ زندگی بھر ادا نہ کیا جائے ورنہ پھر بعد میں زوجین میں سے کسی کے مرنے پر وراثت کی تقسیم کے وقت اس مہر کی ادائیگی کا مسئلہ پیدا ہوتا ہے۔ چونکہ مہر کی ادائیگی کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے قرآن میں واضح حکم دیا ہے کہ برضا و خوشی ادا کیا جائے (النسآء:۴) اور احادیث سے اس کی بوقت نکاح ادائیگی کا ثبوت ملتا ہے اور بعد میں ادا کرنے کا کوئی واقعہ آثارِ صحابہ میں نہیں ملتا، اس لیے یہ مسئلہ درست معلوم ہوتا ہے کہ اگر یہ مہر مرتے دم تک ادا نہ کیا گیا تو اس کی حیثیت ایک قرض کی ہوگی اور قرض کی ادائیگی وراثت کی تقسیم پر مقدم ہے

(1) صحیح بخاری: کتاب النکاح باب تزویج المعسر

Scanned by CamScanner

یعنی پہلے قرض ادا کیا جائے گا اور اس کے بعد ترکہ تقسیم کیا جائے گا جس کا حکم سورۂ نسآء کے دوسرے رکوع میں بار بار دیا گیا ہے۔

مہر کی ادائیگی کے بارے میں سورۂ نسآء کی جس آیت کا اوپر حوالہ دیا گیا ہے، وہاں یہ بھی ذکر ہے کہ اگر عورت اس مہر میں سے کچھ معاف کر دے تو شوہر کے لیے جائز ہو گا۔ جس وقت یہ سورہ نازل ہوئی اس وقت کے عرب معاشرے میں اس کا رواج تھا جیسا کہ اُم سُلیم رضی اللہ عنہا نے ابو طلحہ انصاری رضی اللہ عنہ سے نکاح کے وقت اپنا مہر معاف کر دیا اور صرف اُن کے اسلام لانے کو ہی اپنا مہر مقرر کیا[1]۔ تاہم اس کے معاف کروانے میں شوہر کا مطالبہ و اصرار ہرگز شامل نہیں جیسا کہ موجودہ معاشرے میں جہلاء میں ایک باطل رسم یہ بھی پائی جاتی ہے کہ نکاح کے بعد پہلی ملاقات میں شوہر بیوی سے مہر کی معافی کا مطالبہ کرتا ہے اور وہ بے چاری ناسمجھ فوراً یہ مطالبہ مان لیتی ہے کہ کوئی بدمزگی پیدا نہ ہو ورنہ شریعتِ اسلامی میں اس کا کوئی تصور موجود نہیں بلکہ مذکورہ آیت میں صاف حکم ہے کہ عورتوں کے مہر برضا و خوشی ادا کر دیا کرو۔

اور جہاں تک مہر کی حد کا تعلق ہے تو اس سلسلے میں عرض ہے کہ قرآن سے تو پتہ چلتا ہے کہ اس کی کوئی حد نہیں کہ ڈھیر سارا دیا جائے (سورۃ النسآء: ۲۰) یا بہت کم، تاہم ایک اصول اور ضابطہ بتا دیا گیا کہ صاحب حیثیت اور صاحب عسرت یعنی مالدار اور بے مال اپنی اپنی حیثیت کے مطابق مہر مقرر کریں (البقرۃ: ۲۳۶) تاکہ سہولت کے ساتھ ادا کر سکیں۔ اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں کے لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کو بہترین نمونہ قرار دیا ہے (الاحزاب: ۲۱)۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج کا مہر چار سو درہم ہوتا تھا[2]۔ اُمّ حبیبہ رضی اللہ عنہا کا مہر نجاشی رحمۃ اللہ علیہ نے چار ہزار مقرر کیا (ایضاً) جبکہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا مہر پانچ سو درہم تھا (ایضاً) اور یہ چار پانچ سو درہم سو، سوا سو تولے چاندی کے ہم وزن تھے جن کی مالیت آج کے حساب سے اسّی نوّے ہزار کے لگ بھگ ہے۔ صفیہ رضی اللہ عنہا جنگ خیبر میں قید ہو کر آئیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو آزاد کر کے

(1) سنن نسائی: کتاب النکاح باب التزویج علی الاسلام
(2) سنن نسائی: کتاب النکاح باب القسط فی الاصدقة

Scanned by CamScanner

ان کو اپنی زوجیت میں لے لیا اور ان کا آزاد کرنا ہی ان کا مہر ٹھہرا[1]۔ مہر مقرر کرتے وقت ہمارے سامنے معاشرے کا چلن، اونچی سوسائٹی کا فیشن نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کا قرار دیا ہوا بہترین نمونہ یعنی اسوۂ رسول ﷺ ہونا چاہیے۔

مہر کی ادائیگی کے لیے ایک آسان صورت یہ بھی نظر آتی ہے کہ لڑکی کو جو زیور وغیرہ اس کی سسرال کی طرف سے چڑھایا جاتا ہے، اسے مہر میں مقرر کر دیا جائے جسے لڑکی والوں کو برضا وخوشی قبول کرنا چاہیے اور اس میں یہ دعویٰ کر کے جھگڑنے کی چنداں ضرورت نہیں کہ جان چھڑانے کے لیے ایسا کر لیا گیا۔ نام و نمود، نمائش و رِیاء پر مبنی معاشرے کی لغو، بے اصل و باطل رسومات پر عمل کر کے گناہگار ہونے سے تو کہیں بہتر ہے کہ سنت نبوی ﷺ پر عمل کرتے ہوئے مہر کو فوری ادا کر دیا جائے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی زندگی کا ہر کام سنتِ رسول ﷺ کے مطابق کرنے کی توفیق عطاء فرمائے۔ آمین

شادی کے موقعے پر دلہا، دلہن کو ناموری کے لیے بڑھا چڑھا کر پیسے دیئے جاتے ہیں جنہیں لکھ لیا جاتا ہے تاکہ دینے والے کے یہاں کسی شادی کے موقعے پر اُتنا ہی دیا جائے۔ اسے نیوتہ یا نیندرہ کہتے ہیں (مختلف علاقوں میں اسے مختلف نام دیئے جاتے ہیں)۔ یہ ایک بیہودہ رسم ہے جس سے اجتناب کرنا چاہیے۔ البتہ تحفے تحائف دینے کا حکم ہے، شادی کے موقعے پر بھی تحائف دیئے جاسکتے ہیں۔ نبی ﷺ کی زینب رضی اللہ عنہا سے شادی کے اگلے روز اُم سُلیم رضی اللہ عنہا نے گھی اور کھجور کا بنا ہوا حیس نامی حلوہ بنا کر بھیجا جو نبی ﷺ نے دوسروں کو بلوا کر کھلا دیا۔[2] ہمارے لیے یہی عمل نمونہ ہونا چاہیے۔

شادی کے بعد ولیمہ ضرور کرنا چاہیے کہ نبی ﷺ نے عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کو حکم دیا تھا کہ ولیمہ کرنا خواہ ایک بکری کا ہی کیوں نہ ہو[3]۔ نبی ﷺ کے ولیمے بھی سادگی کا مرقع تھے۔ صفیہ رضی اللہ عنہا کا ولیمہ اس طرح کیا گیا کہ نبی ﷺ نے دستر خوان بچھا دیا اور صحابہ سے فرمایا کہ جس کے پاس جو ہو وہ

(1) صحیح بخاری: كتاب النكاح باب الوليمة ولو بشاة

(2) صحیح بخاری: كتاب النكاح باب الهدية للعروس

(3) صحیح بخاری: كتاب النكاح باب الوليمة ولو بشاة

Scanned by CamScanner

لے آئے چنانچہ کوئی چھوہارے لایا، کوئی گھی اور کوئی ستو اور اس سے حیس بنایا گیا اور یہی نبی ﷺ کا ولیمہ تھا[1]۔ باقی ولیمے بھی اسی طرح ہوتے تھے کہ جس کے پاس جو ہوتا، اکٹھا کر کے دستر خوان پر رکھ دیا جاتا اور ولیمہ ہو جاتا۔ نبی ﷺ نے اپنی بعض ازواج کا ولیمہ دو مٹھی جو سے کیا[2]۔ زینب رضی اللہ عنہا سے نکاح کے بعد ایک بکری ذبح کر کے ولیمہ کیا گیا[3]۔ یہ انتہائی جرأت و بیباکی ہے کہ اس ایک بکری کو بنیاد بنا کر عالی شان شاہی دلیمے کیے جائیں جن پر لاکھوں کا خرچہ آئے! ولیمہ مسجد میں کرنا چاہیے کہ نبی ﷺ کے ولیمے مسجد میں ہی ہوتے تھے۔ ایمان والوں کو شادی ہالوں اور ہوٹلوں سے پرہیز کرنا چاہیے کہ وہاں بے پردگی بھی ہوتی ہے اور ریاء کاری بھی اور بے جا خرچ بھی۔ ویسے تو احادیث میں کئی دن تک ولیمہ کھلائے جانے کا ذکر ملتا ہے[4] تاہم ایسا کوئی ذکر نہیں کہ ایک پُر تکلف دعوت امیروں کی کی جائے جس میں غریبوں کو پوچھا بھی نہ جائے اور ایک معمولی دعوت غریبوں کے لیے مسجد میں کر دی جائے۔ احادیث میں اس ولیمے کو بدترین ولیمہ کہا گیا ہے جس میں صرف امراء مدعو ہوں اور غریبوں کو نہ بلایا جائے۔[5] اس میں اُن لوگوں کے لیے عبرت ہے جو بڑے بڑے ہوٹلوں اور کلبوں میں عظیم الشان ضیافتوں کا اہتمام کر کے "سنتِ ولیمہ" ادا کرتے ہیں جہاں پر اہلِ ثروت کو بلا کر نام اونچا کیا جاتا ہے اور معمولی کھانے کی ایک دو دیگیں غریب غرباء کے لیے مسجد میں بھیج کر ان کا "حق" ادا کرنے کی سعی نامقدور کی جاتی ہے!

مرتدین سے تعلقات

یہاں یہ واضح کرنا بھی ضروری ہے کہ اوپر کی سطور میں بیان کردہ مؤمنوں کا طرز عمل کفار و مشرکین کے حوالے سے ہے جبکہ مرتدین کا معاملہ تو زیادہ ہی سنگین ہے، یہ نفس پرست تو اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ نعمتِ ایمانی کو ٹھکرا کر مؤمنوں کی جماعت سے باغی ہو کر علیحدگی کی روش اپنا لیتے ہیں اور پھر

---

(1) صحیح بخاری: کتاب النکاح باب الولیمۃ ولو بشاۃ / کتاب الصلوٰۃ باب مایذکر فی الفخذ
(2) صحیح بخاری: کتاب النکاح، باب من ولم باقل عن شاۃ
(3) صحیح بخاری: کتاب النکاح باب الولیمۃ ولو بشاۃ
(4) صحیح بخاری: کتاب النکاح باب حق اجابۃ الولیمۃ والدعوۃ ومن اولم سبعۃ ایام ونحوہ ولم یوقت النبی ﷺ یوما ولا یومین
(5) صحیح بخاری: کتاب النکاح باب من ترک الدعوۃ فقد عصی اللہ ورسولہ

Scanned by CamScanner

اس جماعت کی مخالفت اور اس میں انتشار پیدا کرنے کے لیے سرگرم ہو جاتے ہیں اور اسی کو اپنا مقصدِ وجود قرار دے لیتے ہیں۔ خیر القرون میں تواِن مرتدین وخوارج کو بے دریغ قتل کیا گیا ہے۔

اِس وقت ریاستی قوت واختیار نہ ہونے کے سبب اُن قابلِ گردن زدنی باغیوں کے ساتھ شدید ترین رویہ اختیار کر لینا ضروری ہے۔ لہٰذا اس بارے میں ہماری جماعت کا یہی موقف ہے کہ اُن سے کسی بھی قسم کا راہ وربط یا میل جول قطعاً ممنوع ہے، خواہ وہ مرتد کتنا ہی قریبی عزیز ورشتے دار کیوں نہ ہو۔ اُن سے سخت نفرت اور لاتعلقی کا جذبہ اس بات کا متقاضی ہے کہ اُن سے بات کرنا بلکہ ان کی طرف رُخ کرنا بھی گوارا نہ کیا جائے تاوقتیکہ وہ خود ہی توبہ کر کے رجوع کریں اور اس کا اعلان کریں۔

اس معاملے میں قرآن کی درج ذیل آیت ہمارے پیشِ نظر رہے جس میں اللہ تعالیٰ نے دشمنانِ اسلام سے دوستی رکھنے سے منع فرمایا ہے اور واضح کر دیا ہے کہ جو ایسا کرے گا تو وہ بھی انہی میں سے ہو گا۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُوْدَ وَ النَّصٰرٰٓى اَوْلِيَآءَ ۘ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ؕ وَ مَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاِنَّهٗ مِنْهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ○ (المآئدۃ : ۵۱)

”اے ایمان والو! یہود ونصاریٰ کو تم اپنا دوست نہ بناؤ، یہ آپس میں ہی ایک دوسرے کے دوست ہیں تم میں سے جو کوئی ان سے دوستی رکھے گا تو پھر وہ انہی میں شمار ہو گا۔ اللہ ظالموں کو ہدایت نہیں دیتا“

کاروبار، قرض، سرمایہ کاری وغیرہ کے متعلقہ ومتفرقہ اُمور

ایمان والوں کا ہر شعبۂ زندگی میں منفرد وجداگانہ انداز ہوتا ہے۔ وہ معاشرے کے چلن کو دیکھ کر نہیں چلتے بلکہ ان کے لیے اتباع کے قابل اللہ کے آخری رسول محمد ﷺ کا اسوۂ حسنہ ہے جسے اللہ تعالیٰ نے خود مقرر کیا ہے (الاحزاب: ۲۱) - یہ اسوۂ حسنہ انسانی زندگی کے تمام شعبوں کا احاطہ کرتا ہے اور ان کے لیے ایک بہترین نمونہ فراہم کرتا ہے۔ اس اسوۂ حسنہ سے جہاں ہمیں اپنی سیرت و کردار کی تعمیر کرنے اور اخلاق وعادات سنوارنے میں رہنمائی ملتی ہے شادی بیاہ، وراثت، حُسنِ معاشرت سے متعلق قاعدے وقوانین پتہ چلتے ہیں، جن کا گزشتہ صفحات میں ذکر کیا گیا، وہیں ہمیں تجارت، قرضوں

Scanned by CamScanner

کے لین دین وغیرہ سے متعلق بھی وہ رہنما اصول ملتے ہیں جن کی پیروی کرکے ہم حرام وناجائز امور سے بچ کر اپنے رب کو راضی کر سکتے ہیں۔

اللہ کے نبی صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا کہ کسی آدمی کے لیے اس سے بہتر کوئی طعام نہیں کہ وہ اپنے ہاتھ سے کما کر کھائے اور اللہ کے نبی داؤد علیہ السلام اپنے ہاتھوں کی کمائی سے کھاتے تھے۔(1)

ایک حدیث میں فرمایا کہ آدمی کا اپنی پیٹھ پر لکڑیوں کا گٹھا لادنا اس سے بہتر ہے کہ وہ مانگ کر کھائے۔(2)

دیگر معاملاتِ زندگی کی طرح کاروباری معاملات میں بھی دیانت داری اور صدق بیانی اختیار کرنا مومنوں پر لازم ہے۔ دھوکہ دینا مومنوں کا شیوہ نہیں۔ نبی صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا:

.....مَنْ حَمَلَ عَلَيْنَا السِّلَاحَ فَلَيْسَ مِنَّا وَمَنْ غَشَّنَا فَلَيْسَ مِنَّا

"جس نے ہم پر ہتھیار اٹھائے وہ ہم میں سے نہیں اور جو شخص ہمیں دھوکہ دے وہ ہم میں سے نہیں۔"(3)

نبی صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے اناج کے ایک ڈھیر میں ہاتھ ڈالا تو اسے اندر سے گیلا پایا۔ اس کے بیچنے والے سے پوچھا تو اس نے بتایا کہ بارش کا پانی پڑ گیا تھا۔ نبی صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا کہ پھر تو نے بھیگے ہوئے اناج کو اوپر کیوں نہ کیا تاکہ (خریدنے والے) لوگ اسے دیکھ لیتے، جس نے دھوکہ دیا، اس کا مجھ سے کوئی تعلق نہیں۔(4)

ایک حدیث میں فرمایا کہ بیچنے اور خریدنے والے دونوں کو (اپنی بیع ختم کرنے کا) اختیار اس وقت تک ہے جب تک وہ جدا نہ ہوں پھر اگر وہ سچ بولیں اور جو عیب وغیرہ ہو وہ بیان کر دیں تو ان کو اس بیع میں برکت ہو گی اور اگر چھپائیں گے اور جھوٹ بولیں گے تو ان کی بیع

(1) صحیح بخاری: کتاب البیوع، باب کسب الرجل وعملہ بیدہ
(2) صحیح بخاری: کتاب البیوع، باب کسب الرجل وعملہ بیدہ
(3) صحیح مسلم: کتاب الایمان، باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم من غشنا فلیس منا
(4) صحیح مسلم: کتاب الایمان، باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم من غشنا فلیس منا

Scanned by CamScanner

کی برکت مٹ جائے گی [(1)]۔

صحابیٔ رسول عبد اللہ بن ابی اوفیٰ رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ دھوکہ دینے کے لیے (اپنے مال کی) قیمت (بڑھا کر) بتانے والا سود خور ہے، خیانت کرنے والا ہے اور ایسا کرنا فریب ہے، خلافِ شرع ہے اور بالکل درست نہیں (کیونکہ) نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا فریب دوزخ میں لے جائے گا اور جو کوئی ایسا کام کرے جس کا ہم نے حکم نہیں دیا تو وہ مردود ہے [(2)]۔

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: شہر والا باہر والے کا مال نہ بیچے اور دھوکہ دینے کے لیے قیمت نہ بڑھاؤ اور کوئی اپنے بھائی کی بیع پر بیع نہ کرے (یعنی سودا مکمل نہ ہوا ہو اور زیادہ قیمت دے کر خود خرید لے) اور اپنے بھائی کے پیام پر پیام نہ دے اور کوئی عورت اپنی بہن کی طلاق نہ چاہے کہ اس کے منہ کا نوالہ اپنے منہ میں پڑ جائے [(3)]۔

عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل کیا ہے کہ تجارتی مال لانے والے قافلوں سے آگے بڑھ کر شہر کے باہر ان سے سودا نہ کرو بلکہ انہیں بستی میں آکر بیچنے دو۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بتایا کہ شہر والے کا باہر والے کا مال نہ بیچنے سے مراد یہ ہے کہ وہ اس کا دلال نہ بنے [(4)]۔

اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک زمانہ لوگوں پر ایسا آئے گا کہ اس وقت آدمی کچھ پروانہ کرے گا کہ اس نے حلال سے کمایا یا حرام سے [(5)]۔ نیز فرمایا کہ حرام سے پرورش پانے والا جسم جنت میں داخل نہ ہو گا [(6)]، اس کے لیے تو آگ زیادہ بہتر ہے [(7)]۔

مندرجہ بالا احادیث سے پتہ چلتا ہے کہ کسبِ معاش میں کس قدر احتیاط کی ضرورت ہے۔ ان

(1) صحیح بخاری: کتاب البیوع، باب مایمحق الکذب والکذب فی البیع
(2) صحیح بخاری: کتاب البیوع، باب النجش ومن قال لا یجوز ذالک البیع
(3) صحیح بخاری: کتاب البیوع، باب لا یبیع علی بیع اخیه......
(4) صحیح بخاری: کتاب البیوع، باب هل یبیع حاضر لباد بغیر اجر......
(5) صحیح بخاری: کتاب البیوع، باب قول اللہ تعالیٰ یاایها الذین أمنوا لا تاکلوا الربوا......
(6) مسند احمد: باقی مسند المکثرین، حدیث ۱۳۹۱۹
(7) مشکوٰۃ: کتاب البیوع

Scanned by CamScanner

احادیث کے تناظر میں مروّجہ کاروباری طریقوں پر نظر ڈالیں تو اندازہ ہو گا کہ شاید یہ بات دور حاضر کے لیے ہی کہی گئی جس میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے احکامات کی کھلے عام خلاف ورزی کی جارہی ہے۔ تجارت اور اس سے متعلقہ امور کے بارے میں شریعت کے احکامات جو صحاح ستہ کی کتاب البیوع میں مروی ہیں، وہ بہت متنوّع ہیں جن کا احاطہ اس مختصر کتابچے میں نہیں کیا جاسکتا تاہم مؤمن ساتھیوں کی رہنمائی کے لیے ان کا مختصر خلاصہ بیان کیا جاتا ہے:

۱۔ امانت دار اور سچ بولنے والا تاجر نبیوں، صدیقوں اور شہیدوں کے ساتھ ہو گا۔[1]

۲۔ قیامت کے روز تاجر لوگ فاجر اٹھیں گے سوائے ان کے جو تقویٰ رکھتے ہوں، نیکی کرتے ہوں اور سچ بولتے ہوں۔[2]

۳۔ حلال و حرام کے احکامات واضح ہیں اور ان کے درمیان مشتبہ امور ہیں جن کا حکم نہیں معلوم کہ آیا وہ حرام ہیں یا حلال۔ احادیث میں ان مشتبہ چیزوں سے بھی بچنے کا حکم دیا گیا ہے کہ ان کا استعمال پھر حرام خوری کا پیش خیمہ بن جاتا ہے جیسے ممنوعہ علاقے کے کنارے چرنے والا جانور چرتے چرتے ممنوعہ علاقے میں بھی چلا جاتا ہے۔ جو مشتبہ چیز سے بچا اس نے اپنا دین اور اپنی عزت کو پاک کر لیا اور جو شبہات میں پڑا تو وہ حرام میں پڑا۔[3]

۴۔ کتے کی قیمت حرام ہے، زانیہ کی کمائی حرام ہے، حِجامہ(*) کرنے والے کی کمائی حرام ہے[4]۔ یہ امر قابل توجہ ہے کہ حجامہ سنت عمل ہے تاہم صوم کی حالت میں اس کا کرنا

---

(1) جامع ترمذی: کتاب البیوع، باب ماجآء فی التجارۃ وتسمیۃ النبی ﷺ ایاھم

(2) جامع ترمذی: کتاب البیوع، باب ماجآء فی التجارۃ وتسمیۃ النبی ﷺ ایاھم

(3) صحیح بخاری: کتاب الایمان باب فضل من استبراء لدینہٖ

(*) پرانے زمانے میں یہ ایک طریقۂ علاج تھا جس میں سینگ کے پچھلے حصے کو جسم کے مخصوص حصوں سے سینگ کے نوکیلے حصے میں سوراخ کر کے فاسد خون کو منہ سے کھینچ کر باہر نکالا جاتا تھا جس کو سینگی لگانا بھی کہا جاتا ہے۔ آج کل اس کے لیے سنت کے خلاف جدید طریقے اختیار کر لیے گئے ہیں اور گلاس وغیرہ سے جسم کے مطلوبہ حصے کا خون روک کر بلیڈ سے چیر الگا کر باہر نکالتے ہیں۔

(4) صحیح مسلم: کتاب المساقاۃ، باب تحریم ثمن الکلب وحلوان الکاھن ومھر البغی ونھی عن بیع السنور

Scanned by CamScanner

اور کروانا دونوں اس وجہ سے ممنوع ہے کہ صوم کے حالت میں حجامہ کرنا جسمانی کمزوری کا سبب بنے گا اور اس کی وجہ سے افطار کرنا پڑے گا[1]۔ اسی طرح اس پر اجرت لینا حرام ہے جیسا کہ مذکورہ بالا حدیث میں ہے تاہم بلا تعین اجرت اپنی خوشی سے حجام کو حجامہ کے عوض میں کچھ دیا جاسکتا ہے[2]۔ کہانت کرنے والے کی اجرت حرام ہے[3]۔ خون[4]، بلی کی قیمت[5] اور گانے والی کی اجرت ممنوع ہے[6] سود کھانے اور کھلانے والے پر، جسم گودنے اور گدوانے والے پر اور تصویر بنانے والے پر لعنت فرمائی[7] شراب، بتوں، خنزیر اور مردار کا بیچنا حرام ہے[8] البتہ مردار کی کھال استعمال کی جاسکتی ہے[9] مگر اس کی چربی نہیں۔[10]

۵۔ شراب بنانے والے، بنوانے والے، پینے والے، پلانے والے، اس کے اٹھانے والے اور جس کے لیے اٹھائی جائے، اس کے بیچنے والے، خریدنے والے، جس کے لیے خریدی جائے اور جو اس کی قیمت کھائے، ان سب پر اللہ نے لعنت فرمائی ہے۔[11]

۶۔ درختوں پر لگی کھجور کو چھوہاروں، خوشوں کے انگور کو کشمش اور کھیتی کو غلے کے عوض نہ بیچا جائے۔[12]

---

(1) صحیح بخاری: کتاب الصوم، باب الحجامة والقيء للصائم
(2) صحیح بخاری: کتاب البیوع، باب ذکر الحجام
(3) صحیح بخاری: کتاب البیوع، باب ثمن الکلب
(4) صحیح بخاری: کتاب البیوع، باب ثمن الکلب
(5) صحیح مسلم: کتاب المساقاة، باب تحریم ثمن الکلب وحلوان الکاهن ومهر البغی ونهی عن بیع السنور
(6) مشکوٰۃ: کتاب البیوع، باب الکسب ولطب الحلال
(7) صحیح بخاری: کتاب البیوع، باب ثمن الکلب
(8) صحیح بخاری: کتاب البیوع، باب بیع المیتة والاصنام
(9) صحیح بخاری: کتاب البیوع، باب جلود المیتة قبل ان تدبغ
(10) صحیح بخاری: کتاب البیوع، باب بیع المیتة والاصنام
(11) ترمذی: کتاب البیوع، باب النهی ان یتخذ الخمر خلا/
ابن ماجة: کتاب الاشربة باب لعنة الخمر علی عشرة اوجه
(12) صحیح بخاری: کتاب البیوع، باب بیع الزرع بالطعام کیلاً

Scanned by CamScanner

۷۔ درختوں کا پھل پکنے سے پہلے خریدنا بیچنا منع ہے۔[1] اسی طرح اس اناج کی خرید وفروخت بھی ممنوع ہے جو ابھی بالیوں میں (پک کر) سفید نہ ہوا ہو اور کسی آفت (کیڑا، بیماری وغیرہ) سے محفوظ نہ ہوا ہو۔[2]

۸۔ اگر درخت کا پھل بیچا اور اس کو کوئی آفت آگئی تو اس سے کچھ وصول کرنا جائز نہیں۔[3]

۹۔ غلّہ اور پھل قبضے میں آنے سے پہلے نہ بیچے جائیں۔ ہر بیچی جانے والی چیز کا یہی حکم ہے۔[4] نبی ﷺ نے منع فرمایا کہ وہ چیز نہ بیچی جائے جو اپنے پاس نہ ہو[5] غلے پر قبضہ جب تک پورا نہ ہو جائے اور جب تک اسے ناپ کر کے اس کی جگہ سے اٹھا کر منتقل نہ کر دیا جائے اس کو آگے نہ بیچا جائے[6] اسی طرح ڈھیری کو ناپ تول کیے بغیر خریدنے سے بھی نبی ﷺ نے منع فرمایا[7] نگینے جڑے سونے کے زیور خریدنے سے بھی منع فرمایا جب تک انہیں الگ الگ نہ کیا جائے[8] اسی طرح ایک سودے میں دو سودے جمع کرنے سے بھی منع فرمایا[9] مثلاً ایک ہی چیز خریدنے کے لیے دو قیمتیں نہ ہوں کہ نقد خریدیں تو اتنے اور ادھار خریدیں تو اس سے زائد۔ اسے سود کہا گیا جس کا ذکر آگے آرہا ہے۔

۱۰۔ دودھ والے جانور کے تھنوں میں کچھ دن دودھ روک کر وہ جانور نہ بیچا جائے کہ خریدنے

(1) صحیح بخاری: کتاب البیوع باب بیع االثمار قبل ان یبدو صلاحھا / مسلم: کتاب االبیوع باب النھی عن بیع الثمار قبل بدوصلاحھا بغیر شرط القطع
(2) مسلم: کتاب االبیوع باب النھی عن بیع الثمار قبل بدوصلاحھا بغیر شرط القطع
(3) صحیح مسلم: کتاب المساقاۃ، باب وضع الجوائح
(4) صحیح بخاری: کتاب البیوع ،باب بیع الطعام قبل ان یقبض وبیع مالیس عندک
(5) جامع ترمذی: کتاب البیوع، باب ماجآء فی کراھیۃ بیع مالیس عندک
(6) صحیح بخاری: کتاب البیوع باب الکیل علی البائع والمعطی ..... باب ما یذکرفی بیع الطعام والحکرۃ... باب ماذکرفی الاسواق
(7) صحیح مسلم: کتاب البیوع باب تحریم بیع صبرۃ التمر المجھولۃ القدر بتمر
(8) صحیح مسلم: کتاب البیوع باب بیع القلادۃ فیھا خرزوذھب
(9) صحیح بخاری: کتاب اللباس باب اشتمال الصماء

Scanned by CamScanner

والے کو لگے کہ یہ بہت دودھ دینے والا جانور ہے حقیقت کھلنے پر وہ جانور واپس کرنا چاہے تو ساتھ میں ایک صاع کھجور بھی دے کہ اس کے دودھ سے فائدہ اٹھایا تھا [1]۔

۱۱۔ نر سے گابھن کرانے کی اجرت لینا ممنوع ہے [2]۔ گابھن جانور کا حمل بیچنا منع ہے [3]۔

۱۲۔ شے مرہونہ یعنی رہن میں رکھوائی چیز سے فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے مثلاً گروی رکھوائے جانور پر سواری کی جاسکتی ہے، اس کا دودھ استعمال کیا جاسکتا ہے، وغیرہ [4]۔

۱۳۔ ذخیرہ اندوزی یعنی مال روک کر رکھنا کہ جب قیمت زیادہ ہو جائے گی تو بیچا جائے گا، یہ گناہ کا کام ہے [5]۔ بعض روایات میں اس کے کرنے والے کو ملعون کہا گیا ہے، اس کو جذام اور افلاس کی وعید دی گئی ہے اور اللہ تعالیٰ کو اس شخص سے بیزار بتایا گیا ہے [6]۔

۱۴۔ جسے یہ پسند ہو کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن کی سختیوں سے اسے نجات بخشے تو وہ تنگ دست کو قرض ادا کرنے کی مہلت دے یا قرض معاف کر دے [7]۔ اسی باب میں یہ بھی مروی ہے کہ جو تنگدست کو مہلت دے یا قرض معاف کر دے تو اللہ تعالیٰ اس کو اپنے سائے تلے جگہ دے گا البتہ یہ بھی مروی ہے کہ جو شخص مال دار ہوتے ہوئے بھی قرض نہ لوٹائے بلکہ ٹال مٹول کرے تو اس کا تاخیر کرنا ظلم ہے [8]۔ بہترین آدمی وہ ہے جو قرض ادا

(1) صحیح بخاری: کتاب البیوع باب النھی للبائع ان لا یحفل الابل و البقر والغنم.....

(2) صحیح بخاری: کتاب الاجارۃ باب عسب الفحل

(3) صحیح بخاری: کتاب البیوع باب بیع الغرر وحبل الحبلۃ

(4) صحیح بخاری: کتاب الرھن باب الرھن مرکوب ومحلوب

(5) صحیح مسلم: کتاب المساقاۃ باب تحریم الاحتکار فی الاقوات

(6) مشکوٰۃ: کتاب البیوع باب الاحتکار

(7) صحیح مسلم: کتاب المساقاۃ باب فضل انظار المعسر

(8) صحیح بخاری: کتاب الحوالۃ باب اذا احال علی ملی فلیس لہ رد

Scanned by CamScanner

کرنے میں سب سے اچھا ہو[1]۔ نبی ﷺ میت کا جنازہ پڑھنے سے پہلے اس کا قرض ادا کرنے کے بارے میں تلقین کرتے تھے اور جب تک کوئی اس کو ادا کرنے کا ذمہ نہ لیتا، صلوٰۃ المیت ادا نہ فرماتے[2]۔

۱۵۔ اللہ کی راہ میں جان دینے والے شہید کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں مگر قرض باقی رہتا ہے[3]۔

۱۶۔ قرض دار کو مقروض سے کوئی ہدیہ نہ لینا چاہیے یہاں تک کہ اس کی سواری پر بھی سوار نہ ہوں[4]۔

۱۷۔ جو کسی کی ایک بالشت زمین غصب (یعنی اس پر ناجائز قبضہ) کرے گا تو اسے قیامت کے روز سات زمینوں کا طوق پہنایا جائے گا۔ جس نے ناحق کسی کی زمین کا کوئی حصہ لیا تو وہ قیامت کے دن سات زمینوں تک دھنسایا جائے گا[5]۔

۱۸۔ کوئی زمین، باغ یا گھر جب بھی بیچا جائے گا تو اس کے پڑوسی کا اس میں حق شفعہ ہو گا یعنی پہلے اس پڑوسی سے خریداری کے بارے میں پوچھا جائے گا اور اگر وہ نہ لینا چاہے تو کسی دوسرے سے بات کی جائے گی [6]۔ قریب کے پڑوسی کا زیادہ حق ہے[7]۔ اگر درمیان میں کوئی حد آجائے تو پھر حقِ شفعہ نہیں[8]۔

---

(1) صحیح مسلم: کتاب المساقاۃ باب من استسلف شیئا فقضٰی خیر منه وخیرکم احسنکم قضاء
(2) صحیح بخاری: کتاب الحوالۃ باب ان احال دین المیت علی رجل جاز / وباب الدین
(3) صحیح مسلم: کتاب الامارۃ باب من قتل فی سبیل اللہ کفرت خطایاہ الا الدین
(4) ابن ماجۃ: کتاب الاحکام باب القرض
(5) صحیح بخاری: کتاب المظالم والغصب باب اثم من ظلم شیئا من الارض
(6) صحیح مسلم: کتاب المساقاۃ، باب الشفعۃ
(7) صحیح بخاری: کتاب الشفعۃ، باب ای الجوار اقرب
(8) صحیح بخاری: کتاب الشفعۃ، باب الشفعۃ مالم یقسم فاذا وقعت الحد فلا شفعۃ

Scanned by CamScanner

۱۹۔ اگر راہ گزر والی زمین میں اختلاف ہو تو سات ہاتھ راستے کا حق نکالا جائے گا اور اس کے بعد کسی کی ملکیت تصور کی جائے گی(1)۔

۲۰۔ زمین کو اس طرح اجارے پر دینا منع ہے کہ درمیان کے وہ قطعے (حصے) اپنے پاس رکھ لیے جائیں جن میں زیادہ پیداوار ہوتی ہو(2)۔

۲۱۔ اگر کسی نے بغیر اجازت کسی کی زمین کاشت کی تو کھیتی میں اس کے لیے کچھ نہیں سوائے اس کے جو اس نے کاشت میں مال لگایا(3)۔ البتہ اگر کسی غیر آباد زمین جو کسی کی ملکیت نہ ہو، کاشت کی جائے تو وہ کرنے والے کا حق ہے(4)۔

۲۲۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تین اشخاص ہیں جن سے میں روزِ قیامت میں جھگڑوں گا: ایک وہ جو میرا نام لے کر عہد کرے اور پھر عہد پورا نہ کرے، دوسرے وہ جو کسی آزاد مرد کو بیچ کر اس کی قیمت کھالے اور تیسرے وہ جو کسی مزدور کو کام پورا ہونے پر بھی مزدوری نہ دے(5)۔

۲۳۔ مزدور کی مزدوری کا تعین کیے بغیر اسے رکھنا منع ہے(6)۔

۲۴۔ اجرت لے کر خریدار کے لیے سامان تجارت وزن کیا جاسکتا ہے۔ سوید بن قیس کہتے ہیں کہ نبی ﷺ نے ان سے ایک شلوار کا سودا کیا۔ وہیں ایک شخص لوگوں کو مزدوری پر سامان تول رہا تھا۔ نبی ﷺ نے فرمایا کہ تول اور ذرا جھکتا ہوا تول(7)۔

---

(1) صحیح مسلم: کتاب المساقاة، باب قدر الطریق اذا اختلفوا فیه

(2) صحیح بخاری: کتاب الوکالة، باب ما یکره من الشروط فی المزارعة

(3) جامع ترمذی: کتاب الاحکام، باب ماجآء فیمن زرع فی ارض قوم بغیر اذنهم

(4) صحیح بخاری: کتاب الوکالة ،باب من احیا ارضا مواتا

(5) صحیح بخاری: کتاب الاجارة، باب اثم من منع اجر الاجیر

(6) مسند احمد: باقی مسند المکثرین حدیث ۱۱۱۳۹

(7) سنن ابی داؤد: کتاب البیوع باب فی الرجحان فی الوزن والوزن بالاجر

Scanned by CamScanner

۲۵۔ اپنی کھیتی کی ضرورت سے زائد پانی نہیں روکنا چاہیے۔ جو روکے گا تو اس سے اللہ تعالیٰ اپنا فضل روک لے گا[1]۔

۲۶۔ زمین کا مالک پیداوار تقسیم کرنے کی شرط پر اپنی زمین مزارعت یعنی بٹائی پر دے سکتا ہے۔ نبی ﷺ نے خیبر کی زمین یہود کو اس شرط پر کاشت کرنے کے لیے دی کہ پیداوار کا آدھا دیں گے[2]۔

۲۷۔ بیعانے کی بیع سے منع فرمایا گیا ہے کہ بیعانے میں دی جانے والی رقم بیع مکمل نہ ہونے کی صورت میں ضبط ہو جائے[3]۔

۲۸۔ جنس کے بدلے جنس کے کاروبار میں ضروری ہے کہ خریدی اور بیچی جانے والی اشیاء ہم جنس ہوں، وزن میں برابر ہوں، ہاتھوں ہاتھ یعنی نقد ہوں ورنہ ادھار میں سود شامل ہو جائے گا۔ نبی ﷺ نے فرمایا کہ سونے کو سونے کے ساتھ، چاندی کو چاندی کے ساتھ، گندم کو گندم کے ساتھ، جو کو جو کے ساتھ، کھجور کو کھجور کے ساتھ، نمک کو نمک کے ساتھ تبادلے میں نقد اور برابر ہونا چاہیے۔ اگر یہ اجناس مختلف ہوں (یعنی سونا چاندی کے ساتھ، گندم جو کے ساتھ، وغیرہ) تو جس طرح چاہیں بیچیں بشرطیکہ دست بدست ہو[4]۔ جس نے زیادہ دیا یا زیادہ طلب کیا اس نے سود لیا لینے والا اور دینے والا اس میں برابر ہیں۔[5]

سود کی شناعت / ممانعت / حُرمت

۲۹۔ سود سے بہت زیادہ بچنے کی ضرورت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: لوگوں پر ایک زمانہ آئے گا کہ سود کھانے سے کوئی نہ بچے گا، اگر سود نہ کھائے گا تو اس کا غبار تو پہنچے گا۔[6]

(1) صحیح بخاری: کتاب المساقاۃ باب من رایٰ ان صاحب الحوض والقربۃ احق بمائہ
(2) صحیح بخاری: کتاب المزارعۃ باب المزارعۃ بالشطر ونحو / و باب المزارعۃ مع الیہود
(3) موطا مالک: کتاب البیوع باب ماجآء فی بیع العربان
(4) صحیح مسلم: کتاب المساقاۃ باب الصرف وبیع الذھب بالورق نقدا
(5) صحیح مسلم: کتاب المساقاۃ باب الصرف وبیع الذھب بالورق نقدا
(6) سنن نسائی: کتاب البیوع، باب اجتناب الشبھات في الکسب

Scanned by CamScanner

اللہ تعالیٰ نے قرآن میں سود خور کے لیے فرمایا کہ اس سے اللہ اور اس کے رسول کا اعلانِ جنگ ہے۔ (البقرۃ: ۲۷۹) نبی ﷺ نے سود کھانے والے، کھلانے والے، اس کے لکھنے والے اور اس کے گواہوں پر لعنت فرمائی اور بتایا کہ یہ سب برابر ہیں[1]۔

۳۰۔ سود کا ایک درہم کھانا چھتیس مرتبہ زنا کرنے سے زیادہ سخت ہے۔ اس کے ستّر درجے ہیں اور ادنیٰ ایسا جیسے کوئی اپنی ماں سے زنا کرے[2]۔ نبی ﷺ نے معراج کی رات سود خوروں کو دیکھا کہ ان کے پیٹ گھڑوں کی طرح بڑے بڑے تھے جن میں سانپ بھرے ہوئے تھے جو باہر ہی سے نظر آرہے تھے۔ ایک خواب میں نبی ﷺ کو سود خوروں کو خون کے دریا میں سنگسار ہوتے ہوئے دکھایا گیا[3]۔

مندرجہ بالا احادیث کی روشنی میں ایمان والوں پر لازم آتا ہے کہ:

(ا) سود سے سختی سے بچیں۔ خرید و فروخت کا کاروبار ہو تو نقد اور ادھار میں قیمت کا فرق نہ ہو یعنی ایسا نہ ہو کہ نقد سودے میں فوری ادائیگی کی صورت میں ایک چیز سو روپے کی لیکن ادھار میں کچھ عرصے بعد ادائیگی کی صورت میں ڈیڑھ سو روپے کی۔ ادھار کی صورت میں زائد قیمت وصول کرنا سود ہے جس سے بچنا چاہیے۔ نبی ﷺ نے فرمایا کہ جس نے ایک سودے میں دو سودے رکھے تو پھر کم قیمت والے کو اختیار کرنا ہو گا ورنہ سود ہو جائے گا[4]۔ شیطان نے تو بنی آدم کو گمراہ کرنے کا عہد کر رکھا ہے۔ وہ اپنے دوستوں کو سجھاتا ہے کہ نہیں یہ سود نہیں ہے بلکہ نقد ادائیگی کی صورت میں خریدار کو رعایت دی جارہی ہے ورنہ اس کی اصل قیمت تو وہی ہے جو ادھار کی صورت میں وصول کی جارہی ہے۔ یاد رکھیے! یہ شیطان لعین کا دھوکہ ہے ورنہ حقیقت میں قیمت وہی ہے جو نقد معاملات میں وصول کی جاتی ہے اور جسے فہرستِ نرخ (Rate List) میں لکھ کر آویزاں بھی کیا جاتا ہے اور حکومتی اداروں کے سامنے بیان بھی کیا جاتا ہے اور رسیدوں تک

(1) صحیح مسلم: کتاب المساقاۃ باب لعن آکل الربا ومؤکلہ
(2) مشکوٰۃ: کتاب البیوع باب الربوا
(3) صحیح بخاری: کتاب البیوع باب آکل الربا وشاھدہ وکاتبہ
(4) ابوداؤد: کتاب البیوع باب فی من باع بیعتین فی بیعۃ

Scanned by CamScanner

میں لکھا جاتا ہے کہ قیمت یہ ہے اور اس پر رعایت یہ دی گئی۔ ادھار کی صورت میں اُس مذکورہ قیمت سے زائد وصول کیا جاتا ہے جو نقد میں بتائی جاتی ہے۔ قسطوں کے کاروبار کا بھی یہی حال ہے کہ نقد پر ہزار روپے میں بیچی جانے والی چیز کے چھے مہینوں کی قسطوں میں بیچ کر ڈیڑھ ہزار وصول کیے جاتے ہیں۔اس پر مستزاد یہ کہ مقررہ وقت پر قسط کی ادائیگی نہ ہونے کی صورت میں جرمانے کے نام پر مزید سود لیا جاتا ہے اور کچھ قسطیں نہ دینے کی صورت میں بیچا گیا مال اور اس کی قیمت سب ضبط کرلیا جاتا ہے۔یہ سب خالص سود اور ظلم پر ظلم ہے۔ اس ظالمانہ کاروبار سے دور رہنا چاہیے۔

(۲) شیطان اور اس کے گروہِ طواغیت نے بنی آدم کی گمراہی کے لیے جال پھیلا رکھے ہیں۔ نت نئے طریقوں سے بھولے بندوں کو سود کے چکر میں ڈال دیتے ہیں۔ عوام کو لبھانے کے لیے بچوں کے سہانے مستقبل ، ان کی شادی، پُرآسائش آرام دہ گھر، بہترین علاج، جدید تعلیم، بڑھاپے کے سہارے، بےفکر ماہانہ آمدنی وغیرہ کے نام پر طرح طرح کی پُرفریب اسکیمیں لے کر آتے ہیں جو سب سود پر مشتمل ہوتی ہیں۔ بینکوں کا کارو بار سود پر مبنی ہوتا ہے بلکہ ان کی بنیاد ہی سود پر رکھی جاتی ہے جو اپنے منظور شدہ سرمائے (Authorized Capital) کا ایک مقررہ حصہ اسٹیٹ بینک کے پاس رکھوا کر اس پر سود حاصل کرکے کاروبار شروع کرتے ہیں۔ یاد رکھیے کہ تمام بینک ایسا ہی کرتے ہیں خواہ انہوں نے اپنے نام کے ساتھ ''اسلامی'' کا سابقہ لاحقہ لگا رکھا ہو اور ''اسلامی بینکاری'' کا دعویٰ کرتے ہوں۔ ان میں کوئی ''صادق'' اور ''امین'' نہیں۔ یہ سب سود پر کاروبار کرتے ہیں اور مشارکہ، مضاربہ، تکافل وغیرہ کے نام محض فریب دینے کے لیے استعمال کیے جاتے ہیں۔ ان کے وسیع عملے کی خطیر تنخواہیں اسی حرام کمائی سے ادا کی جاتی ہیں خواہ انہوں نے داڑھی رکھ چھوڑی ہو یا عمامہ پہن رکھا ہو، یہ سب اس شیطانی چکر کے آلۂ کار ہیں ۔جس قدر ممکن ہو سکے ان کے ساتھ کاروبار نہ کیا جائے اور ان کا ساتھ ہرگز نہ دیا جائے۔ ان بینکوں میں اکاؤنٹ صرف بامر مجبوری کھولا جائے اور وہ بھی صرف کرنٹ اکاؤنٹ جس میں نہ سود شامل ہوتا ہے نہ زبردستی کی حکومتی زکوٰۃ کاٹی جاتی ہے۔ PLS, Saving یا کسی اور قسم کے اکاؤنٹ نہ کھولے جائیں۔ یہ بینک کریڈٹ کارڈ (Credit Card) کی سہولت بھی دیتے ہیں

Scanned by CamScanner

جس کے لیے بڑی تشہیر کی جاتی ہے اور ان کے ایجنٹ لڑکے لڑکیاں لوگوں کے پاس جا جا کر پُر فریب پیشکشوں کے ذریعے اُن کو اپنے جال میں پھانسنے کی کوشش کرتے ہیں۔ کریڈٹ کارڈ سے بغیر رقم دیئے سامان خریدا جاتا ہے جس کی ادائیگی مقررہ مدت میں کر دی جائے تو بظاہر اس پر سود نہیں لگایا جاتا مگر حقیقت میں یہ سب سودی چکر ہے جو شیطان کی آنت کی طرح کبھی ختم نہیں ہوتا۔ اور اس کا ٹیڑھ کُتّے کی دُم کی طرح کبھی سیدھا نہیں ہوتا۔ کریڈٹ کارڈ کے علاوہ ڈیبٹ کارڈ (Debit Card) کے ذریعے بھی نقد رقم نکلوائی جاتی ہے جس پر سود نہیں لیا جاتا لیکن اگر اس کے ذریعے خریداری کریں تو کچھ زائد رقم دینی پڑتی ہے۔ ان سب سے بچنا چاہیے۔ البتہ اے ٹی ایم کارڈ (ATM Card) بنوائے جاسکتے ہیں جن کے ذریعے ATM مشین سے رقم نکلوائی جاتی ہے۔ بینکوں سے کبھی قرض نہ لیا جائے، نہ کاروبار کے لیے نہ فلیٹ، دکان، مکان یا گاڑی خریدنے کے لیے کیونکہ ان قرضوں پر بھاری سود وصول کیا جاتا ہے خواہ وہ اس کو کرائے کا نام دیں، پرافٹ کہیں یا مارک اپ وغیرہ۔ بینکوں کے علاوہ لیزنگ کمپنیاں (Leasing Companies) بھی یہ کام کرتی ہیں۔ ان سب سے بچنا چاہیے۔ ان کے علاوہ نیٹ ورک مارکیٹ (Network Market) اور ملٹی لیول مارکیٹ (Multi-Level Market) بھی سادہ لوح لوگوں کو سود کے دامِ فریب میں پھانسنے کے لیے بنائی گئی ہیں جیسے شینن (Shannen)، گولڈن کی (Golden Key) وغیرہ۔ عام لوگوں کو ان کے طریقۂ کار میں بظاہر کوئی خرابی نہیں نظر آتی اور وہ ان کے پُرکشش جال میں بآسانی شکار ہو جاتے ہیں مگر اندرونِ خانہ یہ سب سود کی بنیاد پر ہی کاروبار کر رہی ہوتی ہیں ورنہ سامان تو ان کا اتنا بکتا نہیں جتنا یہ ان لوگوں کو کمیشن دیتے ہیں جو ان کے ممبر در ممبر ہوتے چلے جاتے ہیں۔

(۳) انشورنس کمپنیاں (Insurance Companies) انگریز کے دور سے یہاں بیمہ پالیسی (Insurance Policy) کا کاروبار کر رہی ہیں۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ان میں بھی اضافہ ہو گیا ہے اور انہوں نے بچوں کی تعلیم، شادی وغیرہ کے لیے بیمہ کروانے کے ساتھ ساتھ اب علاج معالجے کی سہولت کے لیے بیمۂ صحت (Health Insurance) بھی متعارف کروادی ہے۔ اداروں میں

Scanned by CamScanner

ملازمت کرنا اب بہت مشکل بنادیا گیا ہے کہ ان کی پراویڈنٹ فنڈ (Provident Fund)، گریجویٹی (Gratuity) وغیرہ کی سودی اسکیموں میں شرکت لازمی کردی گئی ہے۔ جب تک صحت کا بیمہ نہ کروایا جائے ملازمت نہیں کرسکتے۔ اسی طرح سڑک پر کوئی گاڑی نہیں لائی جاسکتی جب تک اس کا بیمہ نہ کروایا جائے۔ بینک کی گارنٹی نہ ہو تو کاروبار کے لیے ایل سی (Letter of Credit) نہیں کھول سکتے اور بینک یہ گارنٹی سود پر دیتا ہے۔ دورِ حاضر میں بینکوں کا وجود ناگزیر بنادیا گیا ہے۔ گیس، بجلی، پانی وغیرہ کے بل، تعلیمی اداروں کی فیس، مختلف قسم کے ماہانہ اور سالانہ ٹیکس وغیرہ کی ادائیگی بینکوں کے ذریعے ہی کی جاتی ہے۔ ایمان والے ان سے جس قدر بچ سکتے ہوں بچیں اور صرف اُن ہی مواقع پر بامر مجبوری اِن سے کوئی تعلق رکھا جائے جہاں کوئی چارہ نہ رہے۔ یہ اضطراری کیفیت ہوگی جس میں حرام بھی بقدر بقائے حیات حلال ہوجاتا ہے بشرطیکہ بغاوت و لذت کے لیے نہ ہو۔ ایمان والوں کو ایسے اداروں میں ملازمت بھی نہیں کرنی چاہیے جہاں سود جیسی شنیع شے کا آلۂ کار بننا پڑے۔ اگر کوئی ایمانِ خالص قبول کرنے سے پہلے ان اداروں میں ملازم ہو تو اب کوئی متبادل معاش تلاش کرکے اس حرام کام سے جلد از جلد چھٹکارا حاصل کرنا چاہیے تاکہ خود بھی اور گھر والے بھی اَکلِ حلال کریں یعنی حلال کھائیں اور جہنم کی آگ سے بچ سکیں۔

پراویڈنٹ فنڈ پر سود کے لیے مسلک پرستوں کے مفتیوں نے فتوے دے رکھے ہیں کہ یہ جائز ہے کیونکہ یہ آجر کی طرف سے اجیر کے لیے اعانت ہے۔ ملازمین کو دی جانے والی مالکوں کی امداد و اعانت لینے میں کوئی حرج نہیں مگر پراویڈنٹ فنڈ میں ایسا نہیں ہوتا بلکہ پرائیویٹ اداروں میں ملازمین کی تنخواہ میں سے جتنی کٹوتی ہر ماہ کی جاتی ہے اس کے مساوی رقم مالک کی طرف سے بھی شامل کی جاتی ہے اور دونوں کے مجموعے پر سود دیا جاتا ہے جو کہ کسی بھی طرح جائز نہیں البتہ تنخواہ میں سے منہا کردہ اپنی رقم اور مالک کی طرف سے شامل کردہ اس کے مساوی رقم لی جاسکتی ہے۔ سرکاری اداروں میں حکومت اپنے ملازمین کو اپنی طرف سے کچھ نہیں دیتی بلکہ

Scanned by CamScanner

صرف ان کی تنخواہوں سے کاٹی جانے والی رقم پر سود لگا کر دیتی ہے جو کہ سراسر ناجائز ہے اور اس کا لینا جائز نہیں، صرف اپنی منہا شدہ رقم ہی لی جا سکتی ہے۔

(۴) آج کل کرنسی کا کاروبار (Currency Business) بہت عام ہے جس کے لیے جا بجا Money Exchange اور Money Changer کھلے ہوئے ہیں۔ ان کا کاروبار صرف اس حد تک صحیح ہے کہ ایک کرنسی دوسری کرنسی کے بدلے ہاتھوں ہاتھ خریدی اور بیچی جائے، ادھار نہ ہو ورنہ سود شامل ہو جائے گا۔ اس کی دلیل بخاری کی وہ حدیث ہے جس میں بتایا گیا ہے کہ نبی ﷺ نے سونے کو چاندی کے بدل ادھار بیچنے سے منع فرمایا، چاندی کو چاندی کے بدل اور سونے کو سونے کے بدل بیچنے سے منع فرمایا مگر جب برابر برابر ہو البتہ سونے کو چاندی کے بدل نقد و نقد جس طرح چاہیں خرید کر سکتے ہیں اور اسی طرح چاندی کو سونے کے بدل[1]۔ ایک حدیث میں بتایا کہ دو صاع کھجور کا ایک صاع کھجور کے بدل بیچنا درست نہیں، نہ ایک درہم کا دو درہم کے بدل[2]۔ ان احادیث کی رو سے ایک ہی کرنسی کے نئے نوٹوں کا زائد رقم دے کر خریدنا ناجائز ٹھہرے گا۔

(۵) کرایہ داری کا مروّجہ نظام درست ہے یعنی مکان، دکان، فیکٹری، کارخانے کا مالک اپنی جگہ مقررہ کرائے پر دوسرے کو دے سکتا ہے۔ البتہ اس کے لیے ایک باقاعدہ تحریری معاہدہ کیا جائے تاہم اس کی شرائط یکطرفہ نہ ہوں یعنی ایسا نہ ہو کہ جگہ کا مالک خود غرضی کا مظاہرہ کرے، صرف اپنے کرائے سے تعلق رکھے اور اس میں ہر سال دس فیصد یا زیادہ سے زیادہ اضافہ کرنے کی فکر میں رہے اور کرائے دار کی جائز ضروریات سے اِغماض

(1) صحیح بخاری: کتاب البیوع، باب بیع الورق بالذھب نسیئۃ، باب بیع الذھب بالورق یدا بید
(2) صحیح بخاری: کتاب البیوع، باب بیع الخلط من التمر

Scanned by CamScanner

برتے اور اگر کرائے دار شکایت کرے اور اس کی من مانی پر راضی نہ ہو تو اس کا سامان بزور باہر پھنکوا کر جگہ خالی کروالے اور من مانے کرائے پر کسی دوسرے ضرورت مند کو دے کر پھر اسی طرح ظلم کرتا رہے.......اور نہ ہی کرائے دار اس جگہ کو پرایا مال سمجھ کر بے دردی سے استعمال کرے۔ دونوں ایک دوسرے پر ظلم و زیادتی سے بچتے ہوئے افہام و تفہیم کے ساتھ معاملت کریں۔

کرایہ داری میں پگڑی سسٹم بھی عام ہے جس میں جگہ کا اصل مالک دور کہیں پیچھے رہ جاتا ہے اور بہت سے ظلّی اور بروزی مالک پیدا ہو جاتے ہیں۔ اصل مالک پگڑی کی بھاری رقم وصول کر کے اپنی جگہ کو معمولی کرائے پر دے دیتا ہے جس کے بعد اگر وہ کرائے دار چاہے تو اس سے زیادہ پگڑی لے کر کسی دوسرے شخص کو کرائے پر وہ جگہ دے سکتا ہے اور اصل مالک کو کچھ کمیشن دے کر جگہ کا کرایہ خود وصول کر سکتا ہے اور اسی طرح یہ سلسلہ دراز سے دراز تر ہوتا رہتا ہے۔ یہ کرائے داری کی ناروا صورت ہے جس سے پرہیز کرنا چاہیے۔ اگرچہ قرآن و حدیث میں اس کا ذکر نہیں مگر اصولی بیان ہے جیسا کہ اوپر حدیث بیان کی گئی کہ حلال واضح ہے اور حرام بھی اور ان کے درمیان مشتبہات ہیں۔ اس حدیث کی رو سے مشتبہ چیزوں سے بچنا بھی ایمان والوں پر لازم ہے۔

(۶) گزشتہ صفحات میں کاروبار، تجارت اور اس کے ذیلی امور سے متعلق واضح احکامات نقل کیے گئے۔ بسا اوقات مؤمن ساتھیوں کو کاروبار میں شراکت داری بھی کرنی پڑتی ہے یعنی اپنے کاروبار میں وسعت دینے کے لیے کسی کو شریک کرنا پڑتا ہے یا دوسرے کے کاروبار میں شریک ہونا پڑتا ہے۔ ہر دو صورتوں میں خیال رہے کہ مرتدین کے ساتھ شراکت نہیں کرنی البتہ مشرکین کے ساتھ کاروبار کیا جاسکتا ہے۔ احادیث میں یہود و نصاریٰ اور مشرکین سے نبی ﷺ اور صحابہ رضی اللہ عنہم کا تجارت کرنے اور ان سے قرض لینے کا بھی ذکر ہے۔ البتہ مرتدین سے ایسی کوئی معاملت حدیث سے ثابت نہیں۔ ان سے کوئی معاملت سخت قابلِ نفرت ہے۔

Scanned by CamScanner

شراکت داری کرتے وقت اس بات کا خیال رکھا جائے کہ کاروبار جائز اور درست ہو جھوٹ، دھوکے بازی اور فریب سے پاک ہو، اس میں سود کی آمیزش بالکل نہ ہو۔ اسی طرح اور کوئی ناجائز عوامل کاروبار میں شامل نہ ہوں جیسے بینک وغیرہ کے سودی قرضے، نقد اور ادھار خرید وفروخت میں الگ الگ قیمتیں، پرائز بانڈ (Prize Bonds)، حصص (Shares)، بیمہ (Insurance)، قومی بچت کی اسکیمیں اور اُن سے ملتی جلتی دوسری اسکیموں میں سرمایہ کاری، وغیرہ۔ کاروبار کو نفع ونقصان میں شراکت کی بنیاد پر کیا جائے نہ کہ منافع میں مقررہ شرح پر۔ کاروبار کا باقاعدہ تحریری معاہدہ ہو جس میں واضح شرائط درج ہوں جو تمام شرکاء کے حق میں ہوں اور کسی پر بھی ظلم وزیادتی نہ کرتی ہوں۔

حصص کے کاروبار میں یہ بات پیش نظر رہے کہ یہ شراکت داری کی ایک قسم ہے ۔کسی کمپنی کے حصص خرید کر اس کا شریک بننے سے پہلے تحقیق کر کے اس بات کا یقین کر لیا جائے کہ وہ کمپنی کسی ناجائز کاروبار میں ملوث نہیں اور اس کا کاروبار ان تمام خرابیوں سے پاک ہے جن کا اوپر ذکر کیا گیا۔ یہ ایک امرِ محال ہے کہ ایسا یقین حاصل ہو جائے۔ جب اس کی تحقیق اتنی ہی مشکل ہے تو پھر اس بکھیڑے میں پڑنے کی کیا ضرورت ہے۔ اس لیے اس سے اجتناب ہی بہتر ہے کہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے:

وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى ۖ وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ۖ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۖ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝

(المائدۃ: ۲)

"...اور نیکی اور تقویٰ کے کام میں تعاون کرو اور گناہ اور ظلم کے کام میں تعاون نہ کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو، بیشک اللہ سخت سزا دینے والا ہے"۔

پرائز بانڈ پر ملنے والے انعام کے جائز ہونے کے بارے میں فرقہ پرست مفتیوں نے اپنے ہم مسلکوں کو راضی کرنے کے لیے فتوے دے رکھے ہیں کہ یہ تو ایک کاروبار ہے جوا ہرگز نہیں کیونکہ جوئے میں تو رقم ڈوب بھی جاتی ہے جبکہ بانڈ پر اگر انعام نہ نکلا تو بانڈ کی رقم محفوظ رہتی ہے۔ یہ محض

Scanned by CamScanner

شیطان کا دھوکہ اور فریب نظر ہے ورنہ حقیقت میں یہ خالص سودی کاروبار ہے۔ ان مفتیوں کو نہیں معلوم کہ صرف بانڈ ہی نہیں بکتے جن کو بھنوا کر اپنی رقم واپس لی جاسکتی ہے بلکہ بانڈ کے نمبر کی پرچی بھی بکتی ہے جو قرعہ اندازی کے بعد ضائع ہوجاتی ہے اور رقم واپس بھی نہیں ملتی۔ اسی طرح صرف بانڈز کے نمبر بھی بکتے ہیں اور انعام حاصل کرنے کے لیے جواری لوگ پوری سیریز خرید لیتے ہیں۔ بعض طاغوت پرست تو یہ ہوشیاری بھی دکھاتے ہیں کہ جس بانڈ پر انعام نکلے وہ بانڈ ہی زائد رقم دے کر خرید لیتے ہیں اور اس انعامی رقم کے ذریعے جائیدادیں خریدتے ہیں جن پر واجب الادا ٹیکسوں کی بڑی بڑی رقموں سے صرف اس وجہ سے چھوٹ حاصل کر لیتے ہیں کہ انعامی بانڈ کی رقم پر ٹیکس معاف ہے۔ اس طرح یہ لوگوں اور حکومت کو تو دھوکہ دے سکتے ہیں لیکن اس رب کو تو دھوکہ نہیں دے سکتے جو اِن کے سینوں میں چھپی ہر بات جانتا ہے۔ اُس کی بارگاہ میں پیش ہو کر کیا حیلہ اختیار کریں گے؟ وہاں تو کوئی چالبازی کام نہ آئے گی!

دہرے کھاتے

حکومت کے عائد کردہ ٹیکسوں سے بچنے کے لیے جہاں مذکورہ بالا چال چلی جاتی ہے وہیں یہ بھی کیاجاتا ہے کہ فرضی کمپنیاں (Shadow Companies) صرف کاغذ پر بنالی جاتی ہیں جن کے فرضی اخراجات ظاہر کر کے آمدنی کم سے کم دکھائی جاتی ہے تاکہ ٹیکس بھی کم سے کم لگے۔ یہ داؤ پیچ بتانے کے لیے باقاعدہ مشیروں(Income Tax Advisors) کی خدمات حاصل کی جاتی ہیں جو انہیں ٹیکس بچانے کے گُر سکھاتے ہیں۔ انہی کے مشورے پر دوہرے کھاتے لکھے جاتے ہیں یعنی دو قسم کی Accounts Books مرتب کی جاتی ہیں: ایک اصل جنہیں چھپایا جاتا ہے اور دوسری نقل جن میں آمدنی بہت کم اور اخراجات بہت زیادہ دکھائے جاتے ہیں اور ٹیکس کے لیے انہیں ہی پیش کیا جاتا ہے۔ یہ دھوکہ دہی اور فریب کاری ہے جو مؤمنوں کا شیوہ نہیں۔ اس کی مذمت بزبان نبوی ﷺ اوپر احادیث میں بیان ہوچکی ہے کہ ایسے لوگوں کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں۔ ان کی ایک چال یہ بھی ہوتی ہے کہ رہائشی پلاٹ (Residential Plot) خریدتے ہیں اور سرکاری کارندوں کو رشوت دے کر اُسے کمرشل پلاٹ

Scanned by CamScanner

(Commercial Plot) قرار دلوا لیتے ہیں جس کے بعد اُس پلاٹ کی قیمت کئی گنا بڑھ جاتی ہے اور اُسے بیچ کر یہ زر پرست اس طرح سے مال بٹورتے ہیں۔ ان سے جب رشوت کی بابت باز پرس کی جاتی ہے کہ یہ تو حرام ہے، اس کے لینے اور دینے والے دونوں کے لیے اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا کہ ان پر اللہ کی لعنت ہو[1] تو بہانہ بنا لیتے ہیں کہ یہ رشوت نہیں یہ تو حکومت کے واجبات (Fees & Duties) ہیں اور اپنے جائز حق کو حاصل کرنے کے لیے کچھ دیا جائے تو یہ رشوت نہیں بلکہ "مَظْلِمَہ" ہے جو اپنے جائز حق کو لینے کے لیے دیا جا سکتا ہے۔ یاد رہے کہ یہ بھی شیطان کا ایک دھوکہ ہے۔ حکومت کو جو بھی ادائیگی کی جاتی ہے اس کی ایک رسید دی جاتی ہے جبکہ رشوت کی کوئی رسید نہیں ہوتی۔ جہاں تک رشوت کے مظلمہ ہونے کا تعلق ہے تو یہ صرف اسی وقت جائز ہے جب ہم واقعی اس شے کے جائز ضرورتمند ہوں، حق دار ہوں مگر ہمیں ہمارا یہ حق نہ دیا جاتا ہو اور اس کے لیے رشوت طلب کی جاتی ہو جیسے بجلی گیس کا میٹر لگانا ہماری جائز ضرورت اور حق ہے کہ ہم اس کی مقررہ فیس ادا کرتے ہیں مگر کمپنی کے کارندے اس سے زائد کا تقاضا کرتے ہیں جو اُن کا حق ہر گز نہیں کہ وہ تو یہ کام کرنے کے پابند ہیں جس کی انہیں باقاعدہ اجرت اور تنخواہ دی جاتی ہے۔ اب اگر ایسے میں اپنے جائز حق کو حاصل کرنے کے لیے کمپنی کے کارندوں کو کچھ رقم دی جائے گی تو وہ اُن کے لیے تو رشوت ہو گی جسکے لینے پر وہ ملعون ٹھہریں گے اور ہمارے لیے مظلمہ جو کراہت کے ساتھ بامر مجبوری دیا گیا جس کے بنا کوئی چارہ نہ تھا۔ لیکن اگر ہم خود ہی اس کی پیشکش بھی کرتے ہوں، جائز حق دار بھی نہ ہوں، ہماری کوئی مجبوری بھی نہ ہو جیسے رہائشی پلاٹ کو کمرشل کروانے میں ہماری کوئی مجبوری نہیں، نہ ہی کوئی حق ہے، تو پھر یہ مزعومہ مظلمہ بھی صریح رشوت بن جائے گا۔

اس مالِ حرام کی ایک اور شکل وہ تحفے تحائف ہیں جو سرکاری کارندوں کو پیش کیے جاتے ہیں تاکہ اُن سے اچھے تعلقات استوار ہوں اور بدلے میں اپنے مطلوبہ مفاد حاصل کیے جا سکیں۔ یہ تحائف لینے والے بعض اوقات ظاہراً دیندار بھی ہوتے ہیں اور اپنے دل کو بہلانے کو اور دوسروں کو

(1) سنن ابن ماجة: كتاب الاحكام باب التغليظ فى الحيف والرشوة

مطمئن کرنے کے لیے کہدیتے ہیں کہ ہم نے ان تحائف کا مطالبہ تو نہیں کیا، بن مانگے ہی دیئے گئے ہیں تو لینے میں کیا حرج ہے۔ ایسے ''بھولے'' بابو کی آنکھیں کھولنے کے لیے وہ حدیث کافی ہے جس میں بتایا گیا کہ نبی ﷺ نے زکوٰۃ وصول کرنے کے لیے ایک صحابی رضی اللہ عنہ کو کسی قبیلے کے پاس بھیجا۔ وہ صحابی رضی اللہ عنہ جب نبی ﷺ کے پاس آئے تو انہوں نے بتایا کہ یہ تو زکوٰۃ ہے جو بیت المال کے لیے ہے اور یہ وہ ہدایا ہیں جو مجھے دیئے گئے۔ نبی ﷺ نے خطبہ ارشاد فرمایا کہ میں لوگوں کو زکوٰۃ جمع کرنے کے لیے بھیجتا ہوں اور وہ ایسا ایسا کہتے ہیں، یہ اپنے ابّا کے گھر بیٹھے رہتے پھر دیکھتے کہ انہیں کتنے ہدیئے ملتے ہیں(1)۔ اسی طرح سرکاری عملے کو دیئے جانے والے تحائف ان کی سرکاری حیثیت سے رعایتیں حاصل کرنے کے لیے ہی دیئے جاتے ہیں ورنہ اُن کے برابر کے کمرے میں بیٹھنے والے سرکاری افسر کو کیوں نہیں دیئے جاتے جس کے پاس اُن کا کوئی کام نہیں ہوتا۔ ثابت ہوا کہ یہ ہدیئے تحفے بھی رشوت کے ہی تحت دیئے جاتے ہیں جو کہ حرام اور ناجائز ہے۔

رشوت کی ایک جدید شکل دوائیاں بنانے والی کمپنیوں کی طرف سے ڈاکٹر صاحبان کو دی جانے والی اشیاء ہیں۔ ان کمپنیوں کے میڈیکل نمائندے (Sales Representatives/Med. Rep) کے لیے علاقے مقرر ہوتے ہیں جہاں وہ تلاش کر کے ہر ڈاکٹر کے پاس پہنچتے ہیں، کمپنی کے خرچ پر ان کے کلینک میں فرنیچر، ٹی وی، ریفریجریٹر اور دیگر سامانِ تعیش فراہم کرتے ہیں یہاں تک کہ کانفرنسوں اور سیمینار میں شرکت کے نام پر ڈاکٹر صاحب اور ان کے خاندان کی بیرون ملک سیر کا بندوبست بھی کروادیتے ہیں بشرطیکہ وہ ڈاکٹر صاحب ان کی کمپنی کی بنائی ہوئی کوئی مخصوص دوا ہی اپنے مریضوں کو تجویز کیا کریں اور جب وہ دوا ایک مطلوبہ مقدار تک فروخت ہو جائے گی تو وہ ڈاکٹر صاحب مفت میں وہ سہولتیں حاصل کرلیں گے۔ اسی طرح ایکسرے، الٹراساؤنڈ، سی ٹی اسکین، پیتھالوجیکل لیبارٹریز وغیرہ اپنی مطلوبہ شرائط پورا کیے جانے پر دنیائے طب کے ان مسیحاؤں کو عیش کرواتے ہیں، یہ سب ناجائز اور حرام ہے۔ ایمان والوں کو ان سے اجتناب کرنا چاہیے۔

(1) صحیح بخاری: کتاب الاحکام باب ھدایا العمال

Scanned by CamScanner

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ اَیُّهَا النَّاسُ اِنَّ اللهَ طَیِّبٌ لَّا یَقْبَلُ اِلَّا طَیِّبًا وَّاِنَّ اللهَ اَمَرَ الْمُؤْمِنِیْنَ بِمَا اَمَرَ بِهِ الْمُرْسَلِیْنَ فَقَالَ: یٰۤاَیُّهَا الرُّسُلُ كُلُوْا مِنَ الطَّیِّبٰتِ وَ اعْمَلُوْا صَالِحًا ؕ اِنِّیْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِیْمٌ ؕ﴿۵۱﴾ (المؤمنون:۵۱) وَقَالَ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُلُوْا مِنْ طَیِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ ..... (البقرۃ:۱۷۲) ثُمَّ ذَكَرَ الرَّجُلَ یُطِیْلُ السَّفَرَ اَشْعَثَ اَغْبَرَ یَمُدُّ یَدَیْهِ اِلَی السَّمَآءِ یَا رَبِّ یَا رَبِّ وَمَطْعَمُهُ حَرَامٌ وَمَشْرَبُهُ حَرَامٌ وَمَلْبَسُهُ حَرَامٌ وَغُذِّیَ بِالْحَرَامِ فَاَنّٰی یُسْتَجَابُ لِذٰلِكَ

”ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے لوگو! اللہ تعالیٰ پاک ہے اور نہیں قبول کرتا مگر پاک مال (یعنی حلال کو) اور اللہ پاک نے مؤمنوں کو وہی حکم کیا جو اس نے رسولوں کو حکم کیا اور فرمایا: اے رسولو! کھاؤ پاکیزہ چیزوں میں سے اور نیک کام کرو، بیشک میں جانتا ہوں جو کچھ تم کرتے ہو۔ اور فرمایا: اے ایمان والو! کھاؤ پاکیزہ چیزوں میں سے جو ہم نے تمہیں عطا کی ہیں۔ پھر ذکر کیا ایسے شخص کا جو لمبے لمبے سفر کرتا ہے اور گردو غبار میں بھرا ہے اور پھر آسمان کی طرف ہاتھ اٹھاتا ہے اور کہتا ہے اے رب، اے رب! حالانکہ کھانا اس کا حرام اور پینا اس کا حرام، لباس اس کا حرام اور حرام پر پروان چڑھا پھر اس کی دعا کیوں کر قبول ہو؟ “(1)

رشوت ایک معاشرتی لعنت ہے، ناسور ہے، بہت بڑی برائی ہے اور جہنم میں لے جانے والا حرام کام ہے جس سے معاشرے میں بڑی خرابیاں جنم لیتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہر قسم کے حرام سے بچائے اور حلال پر قناعت کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

ایک ایماندار کی ہر وقت یہی دعا ہونی چاہیے کہ:

اَللّٰهُمَّ اكْفِنِیْ بِحَلَالِكَ عَنْ حَرَامِكَ وَاَغْنِنِیْ بِفَضْلِكَ عَمَّنْ سِوَاكَ

”اے اللہ! اپنے حرام (کردہ مال) کے مقابلے میں اپنے حلال کے ذریعے میری کفایت فرما اور اپنے فضل سے مجھے اپنے ماسوا سے مستغنی کردے۔“(2)

اَللّٰهُمَّ رَحْمَتَكَ اَرْجُوْا فَلَا تَكِلْنِیْ اِلٰی نَفْسِیْ طَرْفَةَ عَیْنٍ وَّاَصْلِحْ لِیْ شَاْنِیْ كُلَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ

”اے اللہ! میں تیری رحمت کا امیدوار ہوں، تو مجھے پلک جھپکنے جتنی دیر بھی میرے نفس کے حوالے نہ کرنا اور میرے سب معاملات کی اصلاح فرمادے۔ تیرے سوا کوئی الٰہ نہیں۔“(3)

(1) صحیح مسلم: کتاب الزکوٰۃ، باب قبول الصدقة من الكسب الطيب وتربيتها
(2) سنن الترمذی: ابواب الدعوات
(3) سنن ابی داؤد: کتاب الادب، باب مایقول اذا اصبح

Scanned by CamScanner

زکوٰۃ و عشر سے متعلق متفرقہ امور

زکوٰۃ اسلام کا ایک بنیادی رکن ہے [1]۔ اس کی اہمیت کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ قرآن میں جہاں جہاں ایمان والوں کا بنیادی وصف صلوٰۃ قائم کرنا بیان ہوا ہے وہیں دوسرا وصف زکوٰۃ کی ادائیگی بتایا گیا ہے۔ اس کی اسی بنیادی حیثیت کی وجہ سے ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنے دور خلافت میں زکوٰۃ دینے سے انکار کرنے والوں سے جنگ کی۔

دیگر اسلامی احکامات کی طرح زکوٰۃ کا مطالبہ بھی ایمانِ خالص کے حاملین سے ہے۔ جن لوگوں کا ایمان خالص نہیں اور اس میں شرک کی آمیزش ہے تو ان پر زکوٰۃ فرض نہیں۔ ایسا شخص خواہ کتنا ہی قریبی عزیز یا گہرا دوست ہو، اس سے زکوٰۃ نہیں لی جائے گی۔ یہ صرف صاحب نصاب ایمانداروں پر ہی فرض ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو یمن کا گورنر بنا کر بھیجا تو انہیں نصیحت کی کہ تم اہل کتاب قوم کی طرف جا رہے ہو، انہیں سب سے پہلے اس بات کی دعوت دینا کہ وہ یہ گواہی دیں کہ اللہ کے سوا کوئی الٰہ نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں، پھر اگر وہ مان لیں تو انہیں بتانا کہ دن رات میں پانچ وقت کی صلوٰۃ فرض ہے، وہ جب یہ بھی مان لیں تو پھر انہیں بتانا کہ اللہ تعالیٰ نے زکوٰۃ فرض کی ہے جو ان کے مالداروں سے لی جائے گی اور ان کے محتاجوں کو دی جائے گی[2]۔

مال میں سونا، چاندی، نقدی، مویشی، زمین، غلہ وغیرہ آتے ہیں۔ مال کی وہ کم سے کم مقدار جس پر زکوٰۃ فرض ہوتی ہے اسے نصاب کہا جاتا ہے۔ سونے چاندی میں زکوٰۃ کا نصاب بالترتیب ساڑھے سات اور ساڑھے باون تولے ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پانچ اوقیہ چاندی سے کم میں زکوٰۃ نہیں[3]۔ فرمایا کہ ہر چالیس درہم میں ایک درہم زکوٰۃ ہے اور دو سو درہم میں پانچ درہم دو سو درہم سے کم ہوں تو زکوٰۃ واجب نہیں[4]۔

---

(1) صحیح بخاری: کتاب الایمان، باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم بنی الاسلام علی خمس......

(2) صحیح بخاری: کتاب الزکاۃ، باب اخذ الصدقۃ من الاغنیاء وترد فی الفقرآء حیث کانوا

(3) صحیح بخاری: کتاب الزکاۃ، باب ماادی زکاتہ فلیس بکنزلقول النبی صلی اللہ علیہ وسلم لیس فیما دون خمسۃ اواق صدقۃ

(4) جامع ترمذی: کتاب الزکاۃ، باب ماجآء فی زکاۃ الذهب والورق

Scanned by CamScanner

مندرجہ بالا احادیث کی رو سے چالیسواں حصہ (1/40) یا ڈھائی فیصد (2½٪) زکوٰۃ ادا کرنا ہر مسلم پر فرض ہے۔ ایک اوقیہ چالیس درہم کا ہوتا ہے اور ایک درہم 3.061 گرام کا۔ اس طرح پانچ اوقیہ کے دو سو درہم یا 612 گرام ہوئے اور 612 گرام چاندی کی قیمت =/612 روپے فی دس گرام (مؤرخہ ۳ نومبر ۲۰۱۵ء) کے حساب سے تقریباً ساڑھے سینتیس ہزار روپے بنی جس کا 2.5٪ حصہ =/937 روپے ہوا۔ اسی طرح زائد رقم کا حساب کرنا ہو گا۔ دینار سونے کا سکہ ہوتا تھا جو دس درہم چاندی کے برابر ہوتا تھا۔ اس لحاظ سے پانچ اوقیہ چاندی یا دو سو درہم بیس دینار کے برابر ہوئے۔ ایک دینار چار ماشے چار رتی یا 4.374 گرام کے برابر ہوتا ہے۔ اس طرح بیس دینار ساڑھے سات تولے یا 87.48 گرام سونے کے برابر ہوئے جن کی قیمت =/39,985 روپے فی دس گرام کے حساب سے تقریباً ساڑھے تین لاکھ روپے ہو گی جس کا 2.5٪ تقریباً =/8750 روپے ہوا۔ یہ چوبیس قیراط خالص سونے کے نرخ کے حساب سے ہے جو صرف سونے کے بسکٹ اور چاکلیٹ وغیرہ کی شکل میں ہوتا ہے ورنہ زیورات میں عموماً بائیس یا اٹھارہ قیراط کا سونا استعمال ہوتا ہے جس کی قیمت کم ہوتی ہے۔ زیورات کی زکوٰۃ ادا کرتے وقت اس بات کا خیال رکھنا ضروری ہے کہ ان کی مالیت ان کے قیراط کے نرخ کے حساب سے لگائی جائے۔ ایک اندازے کے مطابق چوبیس قیراط سونے کا نصاب 87.48 گرام، بائیس قیراط سونے کا 97 گرام اور اٹھارہ قیراط سونے کا 114 گرام ہے۔

یہاں ایک انتہائی اہم امر لائق توجہ ہے کہ دور نبوی میں دس درہم چاندی ایک دینار سونے کے برابر ہوتی تھی لیکن آج کل اس میں بہت فرق آگیا ہے۔ جس کا اندازہ اوپر دیئے گئے حساب سے ہو گیا ہو گا کہ ان میں تقریباً چالیس گنا فرق آ گیا ہے۔ اگر کسی کے پاس صرف سونا ہی سونا ہے، خواہ زیورات کی شکل میں یا کسی اور شکل میں تو اگر ان کی مالیت ساڑھے ستاسی 87.5 گرام سے کم ہے تو پھر اس پر زکوٰۃ واجب نہیں۔ اور اسی طرح اگر کسی کے پاس صرف چاندی ہی ہو، خام شکل میں یا زیورات یا کسی اور شکل میں، تو اگر اس کی مالیت چھ سو بارہ 612 گرام سے کم ہے تو پھر اس پر زکوٰۃ نہیں۔ لیکن اگر کسی کے پاس ایک ہی گرام سونا ہو مگر ساتھ میں نقدی بھی ہو جن کی مجموعی مالیت 612 گرام چاندی کی قیمت =/37500

Scanned by CamScanner

ساڑھے سینتیس ہزار روپے یا اس سے زائد ہو تو پھر تقویٰ کا تقاضا ہے کہ چاندی کے نصاب کو اختیار کرتے ہوئے اس مالیت کا ڈھائی فیصد زکوٰۃ میں نکالا جائے۔ قابل زکوٰۃ مال کو قبضے میں ایک سال گزر گیا تو زکوٰۃ فرض ہو جاتی ہے لیکن اگر سال گزرنے سے پہلے زکوٰۃ ادا کرنا چاہیں تو ادا کر سکتے ہیں[1] عزیمت کی یہی راہ ہے۔

دیگر نصاب ہائے زکوٰۃ

سونے چاندی کے نصاب میں وزن معیار ہوتا ہے جس کی مالیت میں اتار چڑھاؤ کی وجہ سے مذکورہ بالا فرق آجاتا ہے تاہم مویشیوں کی زکوٰۃ نکالتے وقت ایسی صورتحال کا سامنا نہیں ہوتا کیونکہ یہاں وزن نہیں تعداد پر زکوٰۃ فرض ہوتی ہے۔

- چرنے والی بکریوں میں چالیس تا ایک سو بیس پر ایک بکری کی زکوٰۃ فرض ہے، ایک سو اکیس تا دو سو تک میں دو بکریاں اور دو سو ایک تا تین سو تک میں تین بکریاں اور تین سو سے زائد ہوں تو ہر سو پر ایک بکری زکوٰۃ میں ادا کی جائے گی۔ چالیس سے کم بکریوں پر زکوٰۃ فرض نہیں لیکن اگر ان کا مالک دینا چاہے تو دے سکتا ہے۔ اسی طرح اگر کسی کے پاس دو سو درہم سے کم مال ہے تو زکوٰۃ نہیں مگر دینا چاہے تو دے سکتا ہے۔ زکوٰۃ میں بوڑھی اور عیب والی بکری نہ دی جائے (اللہ کی راہ میں بہتر سے بہتر مال دینا چاہیے)[2]۔ بھیڑ اور دنبوں کو بکریوں کے مثل سمجھنا چاہیے اور ان کی زکوٰۃ بھی بکریوں کے نصاب کے حساب سے دینی چاہیے۔
- گائیوں کی زکوٰۃ کا نصاب تیس ہے۔ تیس گائیوں میں ایک سال سے زائد کا بچھڑا یا بچھیا اور ہر چالیس گائیوں میں ایک دو سالہ بچھڑا فرض ہے[3]۔ بھینسوں کو گائیوں کی مثل سمجھ کر ان کی زکوٰۃ ادا کی جائے۔
- اونٹوں کی زکوٰۃ کا نصاب ذرا پیچیدہ ہے۔ پانچ سے کم اونٹوں پر زکوٰۃ نہیں۔ چوبیس اونٹوں تک زکوٰۃ میں بکریاں فرض ہیں۔ ہر پانچ اونٹوں پر ایک سال کی بکری (یا بھیڑ یا دنبہ) فرض ہے، چوبیس

---

(1) جامع ترمذی: کتاب الزکاۃ باب ماجآء فی تعجیل الزکاۃ

(2) صحیح بخاری: کتاب الزکاۃ باب زکاۃ الغنم

(3) جامع ترمذی: کتاب الزکاۃ باب ماجآء فی زکاۃ البقر

Scanned by CamScanner

اونٹوں تک چار بکریاں ادا کی جائیں، پچیس تا پینتیس اونٹوں پر ایک سال کی ایک اونٹنی اور اگر یہ نہ ہو تو ایک دو سالہ اونٹ، چھتیس تا پینتالیس میں ایک دو سالہ اونٹنی، چھیالیس تا ساٹھ تک ایک تین سالہ اونٹنی اور اگر یہ نہ ہو تو چار سالہ اونٹنی مگر اس کے بدلے میں زکوٰۃ وصول کرنے والا اس کو دو بکریاں دے گا، اکسٹھ تا پچھتر اونٹوں پر ایک چار سالہ اونٹنی، چھہتر تا نوے تک دو سالہ دو اونٹنیاں، اکیانوے تا ایک سو بیس تک تین سالہ دو اونٹنیاں اور ایک سو بیس سے زائد تعداد ہو جائے تو پھر ہر چالیس اونٹوں پر دو سالہ ایک اونٹنی اور ہر پچاس پر تین سالہ ایک اونٹنی زکوٰۃ میں دی جائے گی(1)۔

(سواری کے) گھوڑوں، گدھوں، خچروں، غلاموں میں زکوٰۃ فرض نہیں(2)۔ ان احادیث پر قیاس کرکے کہا جاسکتا ہے کہ زیر استعمال گاڑیوں اور ملازمین پر بھی کوئی زکوٰۃ نہیں۔

عشر بارانی، غیر بارانی

- زرعی اجناس پر دی جانے والی زکوٰۃ کو عُشر کہا جاتا ہے جس کا نصاب پانچ وسق ہے۔ پانچ وسق سے کم پیداوار پر کوئی زکوٰۃ نہیں(3)۔ ایک وسق ساٹھ صاع کا اور ایک صاع چار مُد کا ہوتا ہے۔ البتہ وسق، صاع اور مُد کے تعین میں اختلاف ہے اور ان تینوں کے لیے عراقی اور حجازی علیحدہ علیحدہ مقداریں متعین ہیں۔ حجازی وسق 125.971 کلو گرام کا اور عراقی وسق 188.956 کلو گرام کا ہوتا ہے۔ اس طرح اول الذکر کا نصاب تقریباً 630 کلو گرام اور ثانی الذکر کا تقریباً 945 کلو گرام ہوا۔ اگر یہ غلّہ بارش کے پانی سے زمین سیراب کرکے اگایا گیا تو اس کا دسواں حصہ عُشر میں دیا جائے گا اور اگر جاری پانی (نہر، ندی، نالے یا کنویں) سے آبپاشی کرکے اُگایا تو پھر آدھا عُشر (بیسواں حصہ) دیا جائے گا۔
- شہد بھی چونکہ پھولوں، پودوں اور زراعت کے ذریعے ہی حاصل ہوتا ہے اس لیے اس پر بھی

(1) بخاری: کتاب الزکاۃ باب زکاۃ الغنم
(2) بخاری: کتاب الزکاۃ باب لیس علی المسلم فی فرسہ صدقۃ/ کتاب المساقاۃ باب شرب الناس والدوآب من الانہار
(3) بخاری: کتاب الزکاۃ باب العشر فیما یسقیٰ من مآء السمآء وبالمآء الجاری ولم یر عمر بن عبدالعزیز فی العسل شیئا

Scanned by CamScanner

عُشر کا اطلاق ہو گا۔ نبی ﷺ کے دور میں ہلال نامی ایک شخص نے شہد کا دسواں حصہ عُشر میں دیا[1]۔ اگرچہ یہ روایت عن عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہٖ کی سند سے آئی ہے جو کہ عموماً ضعیف ہوتی ہے تاہم یہ روایت صحیح ہے کیونکہ عمرو بن شعیب سے عمرو بن الحارث روایت کر رہے ہیں جو کہ ثقہ راوی ہیں اور عمرو بن شعیب سے جب کوئی ثقہ راوی روایت کرتا ہے تو وہ روایت صحیح ہوتی ہے جیسا کہ یحییٰ بن سعید، یحییٰ بن معین وغیرہ جیسے محدثین کا فرمان ہے۔

❖ سبزیوں میں زکوٰۃ نہیں[2]۔ البتہ اس کو بیچ کر بچ جانے والی رقم پر ایک سال بعد زکوٰۃ فرض ہو گی۔

مالِ تجارت پر بھی زکوٰۃ ادا کرنی ہو گی۔ ایک روایت میں جس کی سند میں مجہول راوی ہیں، صحابی بتاتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ ہمیں اس سامان پر زکوٰۃ ادا کرنے کا حکم دیتے تھے جو ہم بیچنے کے لیے تیار کرتے تھے[3]۔

کاروباری پلاٹ اور جائیداد پر زکوٰۃ

احادیث میں زمین کی زکاۃ کا حکم نہیں ملتا اس لیے کاروبار کی دکان، رہنے کا مکان اور مکان بنانے کی غرض سے رکھے گئے پلاٹوں پر زکوٰۃ نہیں لیکن اگر کسی کا کاروبار ہی جائیداد کی خرید و فروخت ہو تو پھر یہ اس کا مالِ تجارت ہوا جس پر زکوٰۃ ادا کرنا مذکورہ بالا حدیث سے ثابت ہے۔ اسی طرح زیرِ استعمال گاڑی پر تو زکوٰۃ واجب نہیں لیکن اگر کسی کا کاروبار گاڑیوں کی خرید و فروخت ہو تو پھر اس غرض سے رکھی گئی گاڑیوں کی مالیت پر زکوٰۃ ادا کرنی ہو گی۔

زکوٰۃ کی ادائیگی میں تاخیر اور انکار کے عواقب

زکوٰۃ کی ادائیگی میں تاخیر زکوٰۃ سے انکار کے مترادف ہے اس لیے زکوٰۃ فرض ہونے کے بعد فوراً ادا کر دینی چاہیے۔ اس کے لیے رمضان کا انتظار بھی نہیں کرنا چاہیے البتہ سال گزرنے سے پہلے

(1) ابوداؤد: کتاب الزکاۃ باب زکاۃ العسل
(2) مشکوٰۃ: کتاب الزکوٰۃ، باب مایجب فیہ الزکوٰۃ
(3) ابوداؤد: کتاب الزکاۃ، باب العروض اذا کانت للتجارۃ ھل فیھا من زکاۃ

Scanned by CamScanner

اگر رمضان کا مہینہ آجائے تو رمضان کی فضیلت کے حصول کے لیے اس مہینے میں زکوٰۃ ادا کی جاسکتی ہے۔زکوٰۃ ادا نہ کرنے کی بہت وعید آئی ہے۔نبی ﷺ نے فرمایا کہ جس کو اللہ نے مال دیا پھر اس نے اس کی زکوٰۃ ادا نہیں کی تو وہ مال اس کے لیے گنجا سانپ بنادیا جائے گا جس کی آنکھوں کے نیچے دو سیاہ نقطے ہوں گے (جو اس کے انتہائی زہریلا ہونے کی نشانی ہے) وہ سانپ قیامت کے دن اس کے گلے میں طوق بنا کر ڈال دیا جائے گا پھر وہ اس کے منہ کے دونوں کناروں کو پکڑ کر چیرے گا اور کہے گا کہ میں تیرا مال ہوں، میں تیرا خزانہ ہوں۔پھر نبی ﷺ نے قرآن کی یہ آیت پڑھی: (1)

وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ....الخ

''اور جو لوگ اس مال میں جو اللہ نے انہیں عطا کیا ہے بخل کرتے ہیں، وہ یہ نہ سمجھیں کہ یہ (طرز عمل) اُن کے حق میں اچھا ہے، یہ اُن کے لیے باعث شر ہے۔قیامت کے دن اس مال کا جس میں وہ بخل کرتے ہیں، طوق بنا کر اُن کے گلوں میں ڈالا جائے گا اور آسمان اور زمین کی میراث اللہ ہی کی ہے، اور تم جو عمل کرتے ہو اللہ اُس سے خوب باخبر ہے''۔ [آل عمران : ۱۸۰]

اس سے اگلی روایت میں ہے کہ ایک عرب دیہاتی نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے پوچھا کہ مجھے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے بارے میں بتایئے:

وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۙ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝۳۴ يَّوْمَ يُحْمٰى عَلَيْهَا فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوٰى بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوْبُهُمْ وَظُهُوْرُهُمْ ۭ هٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ فَذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُوْنَ ۝۳۵

''اور جو لوگ سونا اور چاندی جمع کر کے رکھتے ہیں اور اُسے اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے، اُنہیں (اے نبی) دردناک عذاب کی بشارت دے دو۔جس دن (اُن کے) اس (خزانے) کو جہنم کی آگ میں تپایا جائے گا پھر اس سے اُن کی پیشانیاں، پہلو اور پیٹھیں داغی جائیں گی (اور کہا جائے گا) یہ ہے وہ خزانہ جو تم نے اپنے لیے جمع کیا تھا، تو تم اپنے جمع کردہ خزانے (کے عذاب) کا مزہ چکھو''۔ [توبة : ۳۴، ۳۵]

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ جس نے اسے جمع کیا اور اس کی زکوٰۃ نہ دی تو اس کے لیے

(1) صحیح بخاری: کتاب الزکاۃ باب اثم مانع الزکاۃ

Scanned by CamScanner

خرابی ہے[1]۔ کسی شخص کے پاس کوئی اونٹ یا گائے یا بکری ہو جس کا وہ حق ادا نہ کرتا ہو (یعنی اس کی زکوٰۃ ادا نہ کرتا ہو) مگر قیامت میں اسے بہت بڑا اور موٹا کر کے لایا جائے گا جو اس شخص کو اپنے پیروں سے کچلیں گی اور سینگ گھونپیں گی۔ جب پہلی ایسا کر کے چلی جائے گی تو دوسری لائی جائے گی اور (روز قیامت) لوگوں کے درمیان فیصلہ ہونے تک ایسا ہی ہوتا رہے گا[2]۔

زکوٰۃ کی جمع اور تقسیم

قرآن میں اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کو حکم دیا کہ:

خُذۡ مِنۡ اَمۡوَالِهِمۡ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمۡ وَ تُزَكِّيۡهِمۡ بِهَا وَصَلِّ عَلَيۡهِمۡ ؕ...[التوبة :۱۰۳]

''(اے نبی) اُن کے اموال میں سے صدقہ لے لو، اس کے ذریعے انہیں پاک کرو اور اُن کا تزکیہ کرو اور اُن کے لیے دُعا بھی کرو...''

احادیث کے مطالعے سے پتہ چلتا ہے کہ دورِ نبوی میں زکوٰۃ جمع کرنے کا ایک باقاعدہ نظام تھا۔ اللہ کے رسول ﷺ عاملینِ زکوٰۃ کو مختلف علاقوں اور قبیلوں میں زکوٰۃ کی وصولی کے لیے بھیجا کرتے تھے جو لوگوں کے مال کی تفصیلات معلوم کر کے ان پر فرض ہونے والی زکوٰۃ کا تعین کر کے ان سے زکوٰۃ لے کر بیت المال میں جمع کرواتے تھے۔ ان کو ہدایات دی جاتی تھیں کہ زکوٰۃ کی وصولی میں زیادتی نہ کی جائے اور لوگوں کے اچھے مال سے بچا جائے (یعنی زیادہ سے زیادہ زکوٰۃ کے لیے اچھے اچھے مال کو ہی شامل نہ کیا جائے) [3]۔ فرمایا کہ زکوٰۃ وصول کرنے والے ''مصدقوں'' کا آنا تمہیں بُرا معلوم ہو گا مگر تم انہیں خوش آمدید کہنا اور وہ جو لینا چاہیں دے دینا اگر وہ انصاف کریں گے تو اجر پائیں گے اور اگر ظلم کریں گے تو اس کا وبال بھی انہی پر ہو گا، ان کو راضی رکھنا کیونکہ تمہاری زکوٰۃ تب ہی پوری ہو گی جب وہ خوش ہو جائیں گے اور تمہارے لیے دعائے خیر کریں

(1) صحیح بخاری: کتاب الزکاۃ باب من ادی زکاته فلیس بکنز

(2) صحیح بخاری: کتاب الزکاۃ باب زکاۃ البقر

(3) بخاری: کتاب الزکاۃ، باب اخذ الصدقة من الاغنیاء وترد فی الفقرآء حیث کانوا

Scanned by CamScanner

گے [1]۔ فرمایا کہ تم لوگ ان سے اپنا مال نہ چھپانا (یعنی پوری دیانتداری سے ان کے سامنے سب پیش کر دینا تاکہ زکوٰۃ کا مکمل اور ٹھیک ٹھیک تعین کیا جا سکے)۔(ایضاً) عاملین زکوٰۃ جن لوگوں سے زکوٰۃ جمع کرے ان سے کوئی ھدیہ وصول نہ کرے (کیونکہ یہ رشوت کی ایک شکل ہے) [2]۔

انفرادی تقسیم کے مضمرات

مذکورہ بالا احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ زکوٰۃ کو پوری دیانتداری کے ساتھ اجتماعی طور پر وصول کر کے بیت المال میں جمع کروایا جائے گا۔ جب لوگوں کے پاس انفرادی حیثیت میں زکوٰۃ کی رقم باقی نہیں بچے گی تو پھر وہ اپنے طور پر تقسیم بھی نہیں کر سکتے اسی لیے جہاں جمع کروائی گئی ہے وہیں سے تقسیم بھی ہو گی۔ زکوٰۃ کی تقسیم اگر انفرادی طور پر اپنی مرضی اور صوابدید سے کی جائے تو پھر زکوٰۃ و عشر کا نظام قائم نہیں رہ سکے گا۔ اپنی اپنی پسند کے لوگوں کو زکوٰۃ دینے کی وجہ سے زیادہ مستحق اور نادار لوگ زکوٰۃ پانے سے رہ جائیں گے اور غیر مساویانہ فضا کئی مفسدات کو جنم دے گی۔ مستحقین زکوٰۃ میں احساسِ محرومی پیدا ہو گا اور وہ اس ناانصافی کے خلاف منفی جذبات پروان چڑھا لیں گے جس کے نتائج خطرناک اور تباہ کن ہو سکتے ہیں۔ اس لیے زکوٰۃ کی انفرادی تقسیم سے گریز کیا جائے اور دیانتداری کے ساتھ اپنے بیت المال میں زکوٰۃ جمع کروائی جائے تاکہ وہاں سے مستحقین تک پہنچ جائے۔

اجتماعی جمع و تقسیم

زکوٰۃ و عشر کی اجتماعی تقسیم کے لیے ضروری ہے کہ ہر حلقے میں صاحبِ مال افراد کی فہرستیں تیار کی جائیں جن سے رابطے کیے جائیں اور انہیں اپنی پوری زکوٰۃ اپنے حلقے کے نظم کے حوالے کرنے کی ترغیب دی جائے اور انہیں باور کرایا جائے کہ زکوٰۃ و عشر انفرادی طور پر تقسیم نہ کیا جائے، لازماً جماعت کے بیت المال کو دیا جائے۔ ان کے دوستوں، رشتے داروں اور واقف کاروں میں اگر کوئی مستحق زکوٰۃ ہو تو جماعت کو اس سے مطلع کیا جائے، جماعت اس کی تحقیق کر کے مدد کرے گی۔

---

(1) ابوداؤد: کتاب الزکاۃ باب رضا المصدق

(2) بخاری: کتاب الاحکام باب ھدایا العمال

Scanned by CamScanner

مال دار ساتھیوں کی طرح اپنے حلقے کے غریب اور نادار مومن ساتھیوں کی بھی اسی طرح فہرستیں بنائی جائیں جن میں اچھی طرح تحقیق کر کے صرف ان ہی ساتھیوں کے نام لکھے جائیں جو واقعی اس کے مستحق ہیں کہ ان کو زکوٰۃ دی جائے۔ ان فہرستوں کی تیاری میں ذاتی پسند و ناپسند کو دخیل ہونے کا کوئی موقع ہر گز نہ دیں۔ اسی طرح اقرباء پروری، دوستی اور رشتے داری کا اس موقع پر کوئی خیال نہ کیا جائے۔ یاد رکھیے بیت المال میں جمع کروائی جانے والی زکوٰۃ ایک امانت ہے جو اس کے مستحقین تک پہنچانا ذمہ داران پر فرض ہے۔ مستحق زکوٰۃ کو زکوٰۃ نہیں دی، غیر مستحق کو دے دی تو ہر دو صورت میں اللہ کے یہاں سخت پکڑ ہو گی۔ اس لیے حلقہ امیر اور اس کی شوریٰ خود کو اللہ کی بارگاہ میں جوابدہ سمجھتے ہوئے خوب چھان پھٹک کر کے مستحقینِ زکوٰۃ کی فہرستیں بنائیں۔ یہ فہرستیں بناتے وقت ساتھی کی ماہانہ آمدنی اور اس کے کنبے کے افراد کی تعداد کو مدِّ نظر رکھا جائے نہ کہ یہ بات کہ اس کے گھر میں سامان تعیشات ہے یا نہیں، اس کا تیس ہزار روپے ماہانہ کمانے کے باوجود گزارہ ہوتا ہے یا نہیں...۔

مستحقینِ زکوٰۃ کی فہرست بناتے ہوئے نبی ﷺ کا یہ فرمان پیش نظر رہے جو انہوں نے قبیصہ بن مخارق رضی اللہ عنہ کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا:

> ”اے قبیصہ! سوال کرنا جائز نہیں سوائے تین اشخاص کے: ایک وہ جو ضامن بنا، اس کے لیے ضمانت بھر سوال کرنا جائز ہے پھر اس کے بعد وہ رک جائے، دوسرے وہ جس کو ایسی آفت پہنچے کہ اس کا سب مال و اسباب تلف ہو جائے، اس کے لیے گزر بسر یا گزراوقات ہونے تک سوال کرنا جائز ہے پھر وہ رک جائے، اور تیسرے وہ کہ جس کو فاقے ہو رہے ہوں اور اس کی قوم کے تین قابلِ اعتبار عقلمند اس کی گواہی دیں کہ فلاں شخص کو فاقہ پہنچا ہے، اس کے لیے اپنی گزر بسر کے قابل ہونے تک سوال کرنا جائز ہے۔ ان کے علاوہ کسی کو سوال کرنا اے قبیصہ حرام ہے اور جس کو وہ کھا رہا ہے، حرام کھا رہا ہے“(1)۔

زکوٰۃ لینے والے ساتھیوں کو وعظ و نصیحت کے ذریعے یہ تعلیم دینے کی کوشش کی جائے کہ وہ زکوٰۃ پر بھروسہ کر کے نہ بیٹھیں بلکہ اپنے پیروں پر کھڑا ہونے کی کوشش کریں جس میں جماعت ان سے پوری طرح تعاون کرے گی۔ ساتھ ہی ان میں یہ شعور بھی اجاگر کریں کہ وہ نظم کی اطاعت کریں اور کسی بھی صاحبِ مال ساتھی، خواہ اپنے حلقے کا ہو یا کسی دوسرے کا، اس سے انفرادی

(1) صحیح مسلم: كتاب الزكاة باب من تحل له المسألة

Scanned by CamScanner

زکوٰۃ وصول نہ کریں کیونکہ یہ اجتماعی نظم کے منافی ہے اور اس میں انفرادیت، خود نمائی، ریاکاری اور تکبر جیسی بیماریوں کے جراثیم پائے جاتے ہیں جن سے دور ہی رہنا چاہیے۔

اپنے طور پر زکوٰۃ تقسیم کرنے والے ساتھیوں کو سمجھایا جائے کہ زکوٰۃ اس طرح ادا نہیں ہوتی کہ سارا سال آپ مختلف طریقوں سے غریبوں کی مدد کرتے رہیں، مالداروں کو نواز کر انہیں خوش کر کے اپنا ہمنوا بناتے رہیں اور ان سب پر خرچ ہونے والی رقم رمضان کے مہینے میں زکوٰۃ میں شامل کر دی جائے۔ غریبوں محتاجوں کی، خواہ وہ مومن ساتھی ہوں یا نہ ہوں، مدد نفلی صدقات سے کی جائے جن کی انفرادی تقسیم پر پابندی نہ کبھی لگائی گئی اور نہ اب کوئی پابندی ہے۔ زکوٰۃ فرض ہے، عشر فرض ہے ان کا حساب سال گزرنے پر کر کے انہیں جماعت کو دیا جائے، اپنے طور پر ہرگز تقسیم نہ کیا جائے۔ انہیں اگر انفرادی طور پر اپنی مرضی سے تقسیم کرنے کی اجازت ہوتی تو نبی ﷺ انہیں بیت المال میں جمع کرنے کے لیے عاملینِ زکوٰۃ کو لوگوں کے پاس کیوں بھیجتے؟

زکوٰۃ کے مصارف

زکوٰۃ کا مال جہاں جہاں صرف ہو سکتا ہے، قرآن میں اللہ تعالیٰ نے بتا دیا ہے:

اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَ الْمَسٰكِیْنِ وَ الْعٰمِلِیْنَ عَلَیْهَا وَ الْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ وَ فِی الرِّقَابِ وَالْغٰرِمِیْنَ وَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَ ابْنِ السَّبِیْلِ ؕ فَرِیْضَةً مِّنَ اللّٰهِ ؕ وَ اللّٰهُ عَلِیْمٌ حَكِیْمٌ [التوبة : ٦٠]

”صدقات تو صرف فقیروں اور مسکینوں کے لیے ہیں، اور صدقات وصول کرنے والوں کے لیے اور اُن کی تالیفِ قلب کے لیے اور گردنوں کو چھڑانے میں، مقروض لوگوں کی مدد کرنے، اللہ کے راستے میں خرچ کرنے اور مسافروں کے لیے ہیں۔ یہ اللہ کی طرف سے ایک فریضہ ہے اور اللہ سب کچھ جاننے والا ہے“۔

درجِ بالا آیت کی روشنی میں جماعت نے زکوٰۃ کی تقسیم کے مذکورہ مدات کو اس طرح سے مقرر کیا ہے:

1. فقراء و مساکین { قدرتی آفات سے متاثرہ، خستہ حال گھر، بیوہ، معذور، کم آمدنی، محتاج } ← 60%
2. عاملین } ← 2%
3. تالیفِ قلوب (نئے ایمان لانیوالے) } ← 2%

❹ گردنیں آزاد کرانا یعنی قیدیوں کی رہائی ← 4 %

❺ قرض داروں کا قرض ادا کرنا ← 10%

❻ فی سبیل اللہ (لٹریچر چھپائی، تعلیم و وظائف تصنیف و تالیف) ← 20%

❼ مسافر ← 2%

قرآن وحدیث کے جماعتی مؤقف میں ہم آہنگی کی اہمیت اور ضرورت

جماعت میں اختلافِ رائے کوئی مستحسن امر نہیں بلکہ یہ ایک ایسا ناسُور ہے جو جماعت کو گھن کی طرح آہستہ آہستہ چاٹتا رہتا ہے، یہاں تک کہ ایک وقت آتا ہے کہ یہ جماعت کو نابُود کر دیتا ہے۔ جیسے جیسے کسی جماعت کا دائرۂ کار بڑھتا رہتا ہے ویسے ویسے جماعت کے افراد کے درمیان اختلافِ رائے رکھنے والے افراد بھی بڑھتے رہتے ہیں اور آئے دن نِت نئے مسائل رُونما ہوتے رہتے ہیں۔ مگر وہ "اجتماعیت" جو صرف اور صرف قرآن وحدیث کے معیار پر قائم ہو، اُس کا نظامِ کار باہمی شورائیت پر مبنی ہوتا ہے۔ یہاں انفرادی ذوق اور سوچ کو اُولوالامر کی اطاعت کے تابع رکھنا ہوتا ہے، اور لوگوں کو آیات کی تاویل اور احادیث کی تصحیح و تضعیف کے بارے میں فیصلہ کرنے کی آزادی اور اختیار نہیں ہوتا۔ عقائد و نظریات سے متعلق چاہے فقہی نوعیت کے اختلافات ہوں یا تاریخی حوالوں کے، یا پھر ذمہ داریوں سے متعلق پیش آنے والے (باہمی معاملات کے) اختلافات، بہر حال بروقت ہی ان کا محاکمہ کیا جانا چاہیے وگرنہ التواء کے سبب یہ چیز تحریک واجتماعیت کے لیے بہت مضر ثابت ہو سکتی ہے، لہٰذا ان سے اجتناب ضروری ہے۔ ہاں وہ اختلافات جو معمولی نوعیت کے ہوں، اُنہیں نہ تو زیادہ اہمیت دیں اور نہ اُن کو بیان ہی کریں بلکہ اپنی حد تک ہی محدود رکھیں، کیونکہ اختلافات پھیلنے سے جماعت میں محاذ آرائی اور تفرقہ پردازی کے جراثیم بار پاتے ہیں۔ کوشش کی جانی چاہیے کہ علمی اختلافات پر فوری توجہ دے کر محاکمہ کر لیا جائے اور ضروری تحقیق کے بعد ایک متفقہ موقف کو اختیار کر لیا جائے۔ قرانِ حکیم میں کئی مقامات پر نشاندہی کی گئی ہے کہ لوگ لاعلمی کے سبب ہی اختلاف نہیں کرتے:

اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ ۗ وَمَا اخْتَلَفَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْيًاۢ بَيْنَهُمْ ۗ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَاِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ [آل عمران : ۱۹]

Scanned by CamScanner

"بلاشبہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک دین تو اسلام ہی ہے، اور اہل کتاب نے علم آجانے کے بعد ہی آپس میں ضد وعناد کے سبب اختلاف کیا، اور جو اللہ تعالیٰ کی آیات کا انکار کرے تو اللہ تعالیٰ جلد ہی حساب لینے والا ہے۔"

پھر اللہ تعالیٰ نے اختلافات کو بہترین انداز میں حل کرنے سے متعلق بھی واضح فرما دیا کہ:

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنكُمْ ۖ فَإِن تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ إِن كُنتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ۚ ذَٰلِكَ خَيْرٌ وَأَحْسَنُ تَأْوِيلًا ﴿٥٩﴾ [النسآء :۵۹]

''اے ایمان والو! اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول کی اور تم میں جو اصحاب امر ہوں ان کی، پھر اگر تم میں کسی معاملے میں اختلاف ہو تو اس کو اللہ اور رسول کی طرف لوٹاؤ، اگر تم اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہو۔ یہی (طریقۂ کار) بہتر اور انجام کار کے لحاظ سے سب سے اچھا ہے''۔

اب جبکہ جماعت میں اختلافات پر قابو پانے کے لیے طے کر لیا گیا ہے کہ اختلافی اندازِ فکر والوں کی شدید حوصلہ شکنی کی جائے گی، تاہم اگر کوئی شخص کسی موضوع پر کوئی تحقیق رکھتا ہے تو اُسے چاہیے کہ وہ متعلقہ ذمہ داران سے رابطہ کر کے اپنی تحقیق پیش کرے، بعد ازاں جو کچھ طے پائے اُسی کو اختیار کرے۔ اس سے قبل اپنی تحقیق کو اپنے تک ہی محدود رکھے کہ یہی صائب اور دُرست راہ ہے، وگرنہ اختلافات کی نہ تو کوئی حد ہی متعین کی جاسکتی ہے اور نہ ہی برداشت کا کوئی پیمانہ مقرر کیا جاسکتا ہے۔ پھر یہ کہنا کہ "علمی اختلافات پر برداشت کا رویہ اپنایا جائے" یہ بات قطعاً نامناسب اور ناقابلِ عمل ہے۔ سو یہ بات اچھی طرح سمجھ لینی چاہیے کہ اگر ہر اختلاف پر بروقت ہی غور وفکر کر کے اس کا حل تلاش کر لیا جائے تو امکانی طور پر پیدا ہونے والے اختلاف وافتراق سے محفوظ رہا جاسکتا ہے، وگرنہ پھر صورتحال اس کے برعکس بھی ہو سکتی ہے۔ ذیل میں اختلافات کے رُونما ہونے کی چند وجوہات واسباب اور ساتھ ہی ان کے سدِّباب کے لیے عملی اقدامات بھی درج کیے جارہے ہیں، ان پر سنجیدگی سے غور کرنا چاہیے:

❶ کسی بھی مسئلے کو معمولی نہ سمجھ کر اُس پر سنجیدگی سے غور کیا جائے

اس کی تشہیر کے بجائے شوریٰ میں طے کر کے عملی جامہ پہنایا جائے، کوتاہیوں پر قابو حاصل کیا جائے۔ اختلافِ رائے کی شکایات کو معمولی نہ سمجھا جائے بلکہ بروقت کارروائی کرتے ہوئے اس کا سدِّباب کیا جائے ورنہ یہ ایک سنگین غلطی ہوگی جس کے بڑے تباہ کن نتائج ہو سکتے ہیں۔

Scanned by CamScanner

② تحقیقی مسائل سے متعلقہ تصنیف و تالیف کے کام میں سُست روی:

یہی وہ بنیادی وجہ ہے جس کے سبب اختلافات میں اضافہ ہوتا ہے۔ ایسے باصلاحیت افراد کی ٹیم تیار کی جائے جو تحقیقی کام میں تیزی لا سکے۔

③ درسِ حدیث کے حوالے سے تقاریر کا فقدان:

اس کے لیے درسِ حدیث پر مبنی تقاریر رکھی جائیں جن میں کتبِ احادیث سے کوئی موضوع منتخب کیا جائے۔ جیسے "کتاب الایمان" وغیرہ، اور حتی المقدور احاطہ کرتے ہوئے ساتھیوں تک ہر موضوع پر قرآن و حدیث کے مؤقف کو واضح کیا جائے۔

④ مقرّرین کی بے جا تعریف:

عام طور پر ساتھیوں میں یہ رجحان پایا جاتا ہے کہ تقریر کے فوراً بعد مقرر کے منہ پر برملا تعریف کی جاتی ہے، حالانکہ ایسا کرنے سے حدیثِ نبوی میں منع فرمایا گیا ہے۔ ساتھیوں میں اس بات کا شعور پیدا کیا جائے کہ اِس عمل سے گریز کریں، کیونکہ اُن کا یہ عمل اپنے بھائی (مقرّر) کو ہلاکت میں ڈالنے کے مترادف ہے۔

⑤ علمی استعداد کے بغیر مخالفین، مُرتدین اور منکرینِ حدیث کے لٹریچر کا مطالعہ کرنا:

اس حوالے سے ساتھیوں میں اس بات کا شعور پیدا کیا جائے کہ بغیر علمی استعداد کے مخالفین، مرتدین اور منکرینِ حدیث کی کتب کا مطالعہ نہ کریں کیونکہ یہ بھی ذہن کو غلط راہ پر ڈال کر اختلافِ رائے کو بڑھانے کا ایک بڑا سبب بن جاتا ہے۔ اس لیے پہلے قرآن و حدیث پر عبور پا کر دوسرے مخالفین کی کتب کا مطالعہ کیا جائے۔

⑥ صوبائی اور ضلعی اُمراء کی حلقہ جات پر گہری نظر نہ ہونا:

یقیناً اختلافِ رائے کو بڑھانے میں اس بات کا بھی عمل دخل ہے۔ اس سلسلے میں جُملہ ذمہ داران اپنے اپنے زیرِ اثر حلقہ جات پر کڑی نظر رکھتے ہوئے حالات و واقعات سے باخبر رہیں۔

⑦ چند افراد پر کام کے بوجھ کے سبب بھی اختلافات رُونما ہو جاتے ہیں:

لہٰذا زیادہ سے زیادہ افراد کو لے کر کام کیا جائے۔

Scanned by CamScanner

⑧ لوگوں کا مخصوص افراد سے ہی سوال جواب کرنا:

اس حوالے سے لوگوں میں اس بات کا بھی شُعور بیدار کیا جائے کہ وہ اپنے من پسند افراد سے ہی سوالات نہ پُوچھیں بلکہ ہر صاحبِ علم سے سوال وجواب کی عادت ڈالیں۔ یہ بھی اس فتنے کو کم کرنے میں معاون ثابت ہو گا۔

⑨ افراد میں اہلیت کا فقدان:

اس کے لیے علم کی اہمیت اور ضرورت کو سمجھتے ہوئے اہلِ علم افراد میں یہ احساس اُجاگر کیا جائے کہ ہر کام بے لوث ہو اور نمود و ریا سے پاک ہو کر خالص لِلّٰهیّت کے ساتھ کیا جائے۔

⑩ قرآن وحدیث کے جماعتی مؤقف سے انحراف کرنے والوں کے خلاف تادیبی کارروائی نہ ہونا:

ایسا کرنے کے سبب اختلافِ رائے کی حوصلہ افزائی ہوتی ہے۔ اس سلسلے میں جماعتی مؤقف سے رُوگردانی کرنے والوں کی پہلے حوصلہ شکنی کی جائے، پھر باز نہ آنے والوں کے خلاف باقاعدہ تادیبی کارروائی کی جائے۔

جماعت سے منسلک اراکین شوریٰ، صوبائی، ضلعی وحلقہ جاتی امراء کی اہلیت وذمہ داریاں:

ذمہ دار افراد کو درجِ ذیل اوصاف کا حامل ہونا چاہیے:

۱۔ قرآن وحدیث سے تمسّک اور زندگی کے تمام شعبوں کے لیے انھی کو اپنا دستور ومنشور سمجھنے والے ہوں نیز کفر کی تمام شکلوں وشرک کی تمام اقسام کو پہچان کر ان سے مکمل اجتناب کرنے والے ہوں۔

۲۔ انفرادی اور اجتماعی زندگی میں سنت پر کاربند رہنے والے اور بدعات سے نفرت کرنے والے ہوں۔

۳۔ طواغیت کی ہر صورت بشمول جمہوریت اور دیگر باطل نظاموں کو شرح صدر کے ساتھ پہچان کر اس کا کفر کرنے والے ہوں نیز نفاق اور اس کی صفات سے اجتناب و نفرت کرنے والے ہوں۔

۴۔ شریعت کے جملہ احکامات یعنی ارکان اسلام، حلال و حرام، اوامر و نواہی کے مکمل پابند ہوں اور فواحش و منکرات خواہ ظاہر ہوں یا پوشیدہ، ان سے اجتناب کرنے والے ہوں۔

۵۔ وہ اللہ کی محبت میں شدید ہوں اور اس کے رسول کی محبت کو دنیا کے ہر رشتے پر مقدم رکھنے والے ہوں۔

۶۔ عہد وپیماں اور امانت کی پاسداری کرنے والے اور معاملات میں دروغ گوئی، جھوٹی قسم اور

Scanned by CamScanner

گواہی سے مکمل احتراز کرنے والے ہوں۔

۷۔ اوصاف حمیدہ، اعلیٰ اخلاق نیز اعلیٰ ظرفی کا بہترین نمونہ اور اخلاقی برائیوں، غیبت، چغلی، بہتان طرازی، الزام تراشی اور بدگمانی سے مکمل پرہیز کرنے والے ہوں۔

۸۔ وہ آپس کے تعلقات میں نرم خو، عفو و درگزر سے کام لینے والے اور احسان مندی کی روش اپنانے والے ہوں جبکہ کفار کے ساتھ اور خاص طور پر مسلمانوں کی اجتماعیت کے دشمن مرتدین سے سخت ترین رویہ رکھنے والے ہوں اور ان سے تعلقات رکھنے والوں کو اللہ کے دین کا دشمن سمجھنے والے ہوں۔

۹۔ شیطانی وسوسوں اور ہتھکنڈوں، آزادروی اور بے حیائی کے کاموں (رقص و سُرود، سازوموسیقی، گانے بجانے، اوراس کے آلات وذرائع) اور مرد وزن کی مخلوط محفلوں سے دور رہنے والے ہوں۔

۱۰۔ خاندانی ونسلی، قومی وقبائلی، صوبائی وعلاقائی عصبیت، غرور و تکبر، ذات پات کی تقسیم، فخر و بڑائی کے خود ساختہ معیار، فرسودہ رسم ورواج، مسالک و گروہ بندیوں سے قطعاً بیزار اور لاتعلق ہوں۔

۱۱۔ ضروریات دین (ظاہری شکل وصورت اور لباس وغیرہ) پر سختی سے کاربند ہوں اور قطعاً ان کا مذاق اڑانے والے نہ ہوں، نہ ہی انہیں اختیار کرنے میں کوئی سبکی اور شرمندگی محسوس کرتے ہوں نیز نمائش اور ریاکاری جیسی برائی میں مبتلا نہ ہوں بلکہ ایسی محفلوں سے بھی دور رہنے والے ہوں جہاں ایسا کیا جائے۔

۱۲۔ جماعتی نظم و ضبط اور قواعد و قوانین پر مکمل کاربند رہتے ہوں نیز اپنے امراء کی اطاعت اور ان کا ادب واحترام کرنے والے ہوں۔

۱۳۔ معاملات میں انصاف پسند اور راست گوئی پر مبنی اوصاف کے حامل ہوں چاہے اس کی زد خود ان کی اپنی ذات، قوم، قبیلے اور خاندان پر ہی کیوں نہ پڑتی ہو۔

۱۴۔ اپنے مؤمن بھائی کی عزت و آبرو اور اس کی جان ومال کی حفاظت کرنے والے ہوں۔

۱۵۔ وہ زندگی کے ہر شعبے میں صبر و تحمل اور برداشت کا رویہ رکھنے والے اور آزمائش میں ثابت قدمی کا مظاہرہ کرنے والے ہوں۔

Scanned by CamScanner

۱۶۔ دین کی ترویج اور مسلمانوں کی اجتماعیت کو مضبوط اور مستحکم بنانے میں ہر وقت کوشاں رہتے ہوں اور انہیں کمزور کرنے والے عوامل (اختلاف وافتراق) اور ان جیسے دوسرے عوامل سے مکمل لاتعلق رہتے ہوں۔

۱۷۔ مذکورہ بالا اوصاف کو ملحوظ رکھتے ہوئے اپنا محاسبہ کرتے رہتے ہوں اور اپنی اصلاح کے لیے کوشاں رہتے ہوں۔

ذمہ داریاں

۱۔ ساتھیوں میں درج بالا اوصاف اُجاگر کرنا۔

۲۔ ترویجِ دین کے لیے ضروری علم کے زیور سے اپنے آپ کو آراستہ کرنا۔

۳۔ اپنے زیر اثر (صوبائی، ضلعی یا حلقہ جاتی) نظم میں درس و تدریس، تربیت اور دعوت الی اللہ کے اجتماعات کو باہم مشورے سے طے کر کے جاری رکھنا۔

۴۔ اللہ کے دین کی نصرت کے لیے انفاق فی سبیل اللہ کے نظام کو مؤثر بنانا۔

۵۔ اپنی جماعت کو مستحکم اور فعال رکھنے کے لیے اپنی تمام تر صلاحیتوں (علمی، قلمی اور بیانی و قولی) کو بروئے کار لانا۔

۶۔ اپنے زیر اثر نظم میں ہونے والے باہمی تنازعات، کاروباری لین دین، نکاح و طلاق اور آپس کی رنجشوں و ناراضگیوں جیسے معاملات کو بروقت اور احسن طریقے سے نمٹانا اور تنازعات میں فریق بننے سے حتی الامکان گریز کرنا نیز تنازعات میں فریقین کو اچھی طرح سننا اور عدل وانصاف کے ساتھ فیصلہ کرنا اور یکطرفہ کاروائی سے گریز کرنا۔

۷۔ ساتھیوں کے ضروری مسائل کو حل کرنا، حقوق کو پورا کرنا (سلام، عیادت، جنازہ، مہمان داری) نیز بیماری و تکالیف کا بروقت ازالہ کرنا۔

۸۔ جماعت کے فنڈز کو اپنے پاس ایک امانت سمجھنا اور آخرت کی جوابدہی کے احساس کے ساتھ اسے انہی کاموں میں صرف کرنا جن کی اجازت دی گئی ہے اور انہیں بے جا ہر گز نہ اڑانا۔

۹۔ اپنی رعیت اور ساتھیوں کے ساتھ شفقت و محبت کے ساتھ پیش آنا اور سختی و کرختگی اور ایسی ہر بات سے سختی سے اجتناب کرنا جو انہیں متنفر کرنے کا سبب بنے اور اس بات کا خیال ہر وقت

Scanned by CamScanner

رہے کہ ان کے بارے میں مجھ سے اللہ کی بارگاہ میں بازپرس ہو گی۔

۱۰۔ مؤمن معاملہ فہم، دور اندیش، زیرک اور ہوشیار ہوتا ہے اور اپنے پچھلے تجربات کو مد نظر رکھتا ہے تاکہ اسے ایک ہی سوراخ سے دوبارہ نہ ڈسا جا سکے اور وہ دوُ خا بھی نہیں ہوتا۔

اللہ تعالیٰ ہمیں ان پر غور و فکر کرنے اور اپنی کوتاہیوں کی اصلاح کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

❋❋❋❋❋❋

رنگ وبُو کے دیوانو! سُنو

○ دنیا کی یہ دلفریبیاں ہمیشہ نہیں رہیں گی! ○ جوانی کی یہ بہاریں سدا ساتھ نہیں دیں گی!

ایک وقت آئے گا کہ جب: ○ اُٹھتے ہوئے یہ ہاتھ ڈھلک جائیں گے! ○ یہ چمکتی آنکھیں پتھرا کر چڑھنے لگیں گی!!

اس وقت: یہ ڈگریاں و سرٹیفکیٹس، یہ دوست واحباب کام نہ آئیں گے۔

○ اس وقت کی جیت...... ہمیشہ کی جیت ہوگی۔ ......اور...... اس وقت کی ہار...... ہمیشہ کی ہار ہوگی۔

لہٰذا اس وقت کے آنے سے پہلے سمجھ لو کہ: دنیا کی بربادی اور آخرت کی رسوائی سے بچنے کا صرف ایک ہی طریقہ ہے اور یہ ہمارا نہیں بلکہ ہمارے اور تمہارے مالک کا بتایا ہوا طریقہ ہے۔ ''زمانے کی قسم! درحقیقت انسان سخت خسارے میں ہے۔ سوائے اُن (لوگوں) کے جو ایمان لائے اور نیک اعمال کرتے رہے ایک دوسرے کو حق کی تلقین و صبر کی نصیحت کرتے رہے۔ ﴿سورۃ العصر﴾

تو اے لوگو! ○ **ایمان لے آؤ اللہ پر، جیساکہ ایمان لانے کا حق ھے**

کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں، صرف وہی داتا، دستگیر، غوث اور مشکل کشا ہے۔

نذر و نیاز، نعرے و پکار، غرض سارے مراسم عبودیت کا وہی ایک مستحق ہے اور اس کا کوئی شریک و سہیم نہیں۔

○ **پھر ایمان لے آؤ محمد ﷺ پر، جیساکہ ایمان لانے کا حق ھے**

کہ وہ اللہ کے آخری نبی اور افضل البشر ہیں۔ وہی ہمارے رہبر و رہنما، وہی قائد اعلیٰ اور قائد اعظم ہیں۔

☆پس اُن کی ہر بات لازم اور ہر سنّت سندِ آخر ہے، ہر بدعت گمراہی اور قابل نفرت ہے۔ ☆ہماری نجات کے لئے کتاب اللہ اور سنت رسول ﷺ قیامت تک کے لئے کافی ہے۔

☆ہمارا کسی بھی فرقے سے کوئی تعلق نہیں، ہم صرف اور صرف مؤمن و مسلم ہیں کفر و شرک سے بھری زمین پر الٰہ واحد کا کلمہ سربلند کرنے کے متمنی۔

○ ہے کوئی ایسا جو شرک کو مٹانے اور توحید خالص کو پھیلانے کے لئے ہمارا ساتھ دینے پر تیار ہو؟

منتظر ھیں: ہم اُن ہمت وروں کے جو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے نقوش قدم کی رہنمائی میں باطل کو مٹا کر **قیام حق** کیلئے ہمارے ہم سفر بننے پر تیار ہوں۔

Scanned by CamScanner

اگر آپ کسی اجتماعیت کو تباہ کرنا چاہتے ہیں! تو ...

- ہمیشہ اپنے آپ کو دوسروں کے مقابلے میں افضل و برتر سمجھتے ہوئے لوگوں کے ساتھ سلام میں کبھی پہل نہ کیجیے بلکہ اگر کوئی ساتھی سلام کرے تو مختصر جواب دیجیے۔
- اجتماعات میں شریک ہونے سے گریز کیجیے۔ مختلف مصروفیات کی آڑ لے کر شرکت سے بچنے کے بہانے تراشیے۔ اگر کسی اجتماع میں شرکت کرنی ہی پڑ جائے تو دیر سے پہنچنے کی کوشش کیجیے۔
- اجتماعات کے اندر ذمہ دار افراد پر کھلے عام کڑی تنقید اور نکتہ چینی کیجیے، انتظامات پر ناپسندیدگی کا اظہار کرنا نہ بھولیے۔
- بھول کر بھی کسی قسم کی ذمہ داری قبول نہ کیجیے، کسی قسم کا کوئی کام ہرگز نہ کیجیے، ہاں کام کرنے والوں پر تنقید ضرور کیجیے اور اگر آپ پر کوئی ذمہ داری ڈالی جائے تو خوش اسلوبی سے راہِ فرار اختیار کیجیے۔ ساتھی کارکنوں سے البتہ خوب کام لیجیے اور اگر کوئی ذرا بھی لیت و لعل کرے تو اس کو بُرا بھلا کہنے سے ہرگز نہ چوکیے۔
- ساتھیوں کے کام میں ہمیشہ کیڑے نکالیے، اچھے سے اچھے کام کی بھی کبھی بھول کر تعریف نہ کیجیے بلکہ اُن کی چھوٹی چھوٹی غلطیوں کی بھی پکڑ کیجیے۔
- ساتھیوں پر تنقید کا سنہری موقع کبھی ہاتھ سے نہ جانے دیجیے، ہمیشہ ان پر کیچڑ اُچھالنے کی تاک میں لگے رہیے۔ کوشش کیجیے کہ تمام لوگوں کے سامنے ان کی غلطیوں اور کمزوریوں کی نشاندہی کر کے اُن کو نشانہ تضحیک بنایا جاسکے۔
- ساتھیوں کے ساتھ کبھی نرمی سے نہ پیش آیئے۔ بلکہ ہمیشہ سخت سست کہیے۔ مناسب وقفوں کے ساتھ ڈانٹ ڈپٹ اور گوشمالی کرنا اپنا وطیرہ بنائے رکھیے۔
- غریب اور نادار ساتھیوں پر "نظر عنایت" کچھ زیادہ ہی رکھیے۔ ان سے کبھی سیدھے منہ بات نہ کیجیے۔

Scanned by CamScanner

- نئے آنے والوں اور دعوت ایمان سے متعارف ہونے والوں کے ساتھ خاص طور پر سخت رویہ اپنائیں تاکہ وہ ہمیشہ آپ سے مرعوب رہیں۔ ان کے ساتھ ترش روئی سے بات کرنا بہت ضروری ہے۔
- اگر آپ کو کسی وجہ سے درس اور اجتماع کی بروقت اطلاع نہ دی جاسکے تو ذمہ دار حضرات کو سخت سست کہیے، لاپرواہ اور غیر ذمہ دار ٹھہرائیے۔
- اپنی علمیت اور بڑائی ظاہر کرنے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہ جانے دیجیے۔ مختلف طریقوں سے لوگوں کے قلوب و اذہان میں اپنی علمیت کا تاثر اُجاگر کرتے رہیے۔ دوسری طرف عام ساتھیوں کے دلوں میں دوسرے ذمہ دار اشخاص کے بارے میں شکوک وشبہات پیدا کر کے ان کو بدظن کیجیے۔
- تقاریر میں غیر معمولی جذباتیت کا مظاہرہ کیجیے اور مخالفین کو تحریک سے متنفّر کرنے کی بھرپور کوشش کرتے رہیے اور قرآن و حدیث کو لوگوں کے تزکیۂ نفس کا ذریعہ بنانے کے بجائے لچھے دار تقاریر اور مناظرانہ رنگ آمیزی کے لیے استعمال کیجیے۔
- اگر آپ سے کسی مسئلہ پر رائے لی جائے تو ہمیشہ اپنا نقطہ نظر پیش کرنے سے گریز کیجیے اور بعد میں لوگوں سے یہ ضرور کہیے کہ اس کام کو یوں ہونا چاہیے تھا، یوں نہیں۔
- اول تو مالی اعانت ہرگز نہ کیجیے اور اگر مجبوراً کرنی ہی پڑ جائے تو کم سے کم دیجیے۔ مگر سہولتیں اور آسانیاں زیادہ سے زیادہ حاصل کیجیے۔
- ذاتی مفاد کو ہمیشہ اجتماعی مفاد پر ترجیح دیجیے۔

ان نہایت ہی سادہ اور "زرین" اُصولوں پر عمل کر دیکھیے، "ان شآء اللہ" آپ کم سے کم وقت میں کسی بھی منظم تحریک کے تاروپود نہایت آسانی سے بکھیر کر رکھ دیں گے!

اور

اگر آپ کسی اجتماعیت کے ساتھ مخلص ہیں، اس کو روز بروز ترقی کرتے اور منظم ہوتے دیکھنا چاہتے ہیں تو للہ ان اُصولوں میں سے کسی ایک کو بھی اپنے پاس نہ پھٹکنے دیجیے۔

اللہ ہمارا حامی و ناصر ہوں۔

❋❋❋❋❋❋

Scanned by CamScanner